[illegible] نمونہ الہام کے
اور تیں طور پر تسلی کا باعث ہو ہم کے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اول — جولائی ۱۹۰۲ء — نمبر (۷)

فہرست مضامین

انجمن اشاعت الاسلام قادیان
نے
انوار احمدیہ پریس قادیان دارالامان میں چھپوا کر
۲۰ ستمبر ۱۹۰۲ء کو شائع کیا

[illegible] سالانہ [illegible] محصول ڈاک [illegible]

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

(٦)

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اوّل — جولائی سنہ ١٩٠٢ء — نمبر (٧)

فہرستِ مضامین

انجمن اشاعت الاسلام قادیان
نے
انوار احمدیہ پریس قادیان دارالامان میں چھپوا کر
٣٠ ستمبر سنہ ١٩٠٢ء کو شائع کیا

چندہ سالانہ معہ محصول ڈاک:- معمولی کاغذ پر (عہ/) ولایتی کاغذ پر (للعہ/)

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

موت کے بعد انسان کی کیا حالت ہوتی ہے

سو اس سوال کے جواب میں یہ گذارش ہے کہ موت کے بعد جو کچھ انسان کی حالت ہوتی ہے درحقیقت وہ کوئی نئی حالت نہیں ہوتی بلکہ وہی دنیا کی زندگی کی حالتیں زیادہ صفائی سے کھل جاتی ہیں جو کچھ انسان کے عقائد اور اعمال کی کیفیت صالحہ یا غیر صالحہ ہوتی ہے وہ اس جہان میں مخفی طور پر اس کے اندر ہوتی ہے اور اس کا تریاق یا زہر ایک چھپی ہوئی تاثیر انسانی وجود پر ڈالتا ہے مگر آنے والے جہان میں ایسا نہیں ہوگا بلکہ وہ تمام کیفیات کھلا کھلا اپنا چہرہ دکھائیں گی اس کا نمونہ عالم خواب میں پایا جاتا ہے کہ انسان کے بدن پر جس قسم کے مواد غالب ہوتے ہیں عالم خواب میں اسی قسم کی جسمانی حالتیں نظر آتی ہیں۔ جب کوئی تیز تپ چڑھنے کو ہوتا ہے تو خواب میں اکثر آگ اور آگ کے شعلے نظر آتے ہیں اور بلغمی تپوں اور ریزش اور زکام کے غلبہ میں انسان اپنے تئیں پانی میں دیکھتا ہے غرض جس طرح کی بیماریوں کے لئے بدن نے تیاری کی ہو وہ کیفیتیں تمثل کے طور پر خواب میں نظر آجاتی ہیں۔ پس خواب کے سلسلہ پر غور کرنے سے ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ عالم ثانی میں بھی یہی سنت اللہ ہے کیونکہ جس طرح خواب ہم میں ایک خاص تبدیلی پیدا کر کے روحانیات کو جسمانی طور پر تبدیل کر کے دکھلاتا ہے اس عالم میں بھی یہی ہوگا اور اس دن ہمارے اعمال اور اعمال کے نتائج جسمانی طور پر

ظاہر ہوں گے اور جو کچھ ہم اس عالم سے مخفی طور پر ساتھ لیجائیں گے وہ سب اس دن ہمارے چہرہ پر نمودار نظر آئے گا اور جیسا کہ انسان جو کچھ خواب میں طرح طرح کے تمثلات دیکھتا ہے اور کبھی گمان نہیں کرتا کہ یہ تمثلات ہیں بلکہ انہیں واقعی چیزیں یقین کرتا ہے ایسا ہی اس عالم میں ہوگا بلکہ خدا تمثلات کے ذریعہ سے اپنی نئی قدرت دکھائے گا چونکہ وہ قدرت کامل ہے پس اگر ہم تمثلات کا نام بھی نہ لیں اور یہ کہیں کہ وہ خدا کی قدرت سے ایک نئی پیدایش ہے تو یہ تقریر بہت درست اور واقعی اور صحیح ہے خدا فرماتا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ یعنے کوئی نفس نیکی کرنے والا نہیں جانتا کہ وہ کیا کیا نعمتیں ہیں جو اس کے لئے مخفی ہیں سو خدا نے ان تمام نعمتوں کو مخفی قرار دیا جن کا دنیا کی نعمتوں میں نمونہ نہیں یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتیں ہم پر مخفی نہیں ہیں اور دودھ اور انار اور انگور وغیرہ کو ہم جانتے ہیں اور ہمیشہ یہ چیزیں کھاتے ہیں سو اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں اور ہیں اور ان کو ان چیزوں سے صرف نام کا اشتراک ہے پس جس نے بہشت کو دنیا کی چیزوں کا مجموعہ سمجھا اس نے قرآن شریف کا ایک حرف بھی نہیں سمجھا اس آیت کی شرح میں جو ابھی میں نے ذکر کی ہے ہمارے سید و مولے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بہشت اور اس کی نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ دلوں میں کبھی گذریں حالانکہ ہم دنیا کی نعمتوں کو آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں اور کانوں سے بھی سنتے ہیں اور دل میں بھی وہ نعمتیں گذرتی ہیں پس جبکہ خدا اور رسول اس کا ان چیزوں کو ایک نرالی چیزیں بتلاتا ہے تو ہم قرآن سے دور جا پڑتے ہیں اگر یہ گمان کریں کہ بہشت میں بھی دنیا کا ہی دودھ ہوگا جو گایوں اور بھینسوں سے دوہا جاتا ہے گویا دودھ دینے والے جانوروں کے وہاں ریوڑ کے ریوڑ موجود ہونگے اور درختوں پر شہد کی مکھیوں نے بہت سے چھتے لگائے ہوئے ہونگے اور فرشتے تلاش کرکے وہ شہد نکالیں گے اور نہروں میں ڈالیں گے کیا ایسے خیالات اس تعلیم سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں جس میں یہ آئتیں موجود ہیں کہ دنیا نے ان چیزوں کو کبھی نہیں دیکھا اور وہ چیزیں روح کو روشن کرتی ہیں اور خدا کی معرفت بڑھاتی ہیں اور روحانی غذائیں ہیں گو ان غذاؤں کا تمام نقشہ جسمانی رنگ پر ظاہر کیا گیا ہے مگر ساتھ ساتھ بتایا گیا ہے کہ ان کا سرچشمہ روح اور راستی ہے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے یہ پایا جاتا ہے کہ جو جو نعمتیں بہشت میں دیجائیں گی ان نعمتوں کو دیکھ کر بہشتی لوگ ان کو شناخت کرلیں گے کہ یہی نعمتیں ہمیں پہلے بھی ملی تھیں جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْھَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا

ھٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِہٖ مُتَشَابِھًا ؕ یعنے جو لوگ ایمان لانے والے اور اچھے کام کرنیوالے ہیں جن میں ذرہ فساد نہیں ان کو خوشخبری دے کہ وہ اس بہشت کے وارث ہیں جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں جب وہ عالم آخرت میں ان درختوں کے ان پھلوں میں سے جو دنیا کی زندگی میں ہی ان کو مل چکے تھے پائیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو وہ پھل ہیں جو ہمیں پہلے ہی دیئے گئے تھے کیونکہ وہ ان پھلوں کو ان پہلے پھلوں سے مشابہ پائیں گے۔ اب یہ گمان کہ پہلے پھلوں سے مراد دنیا کی جسمانی نعمتیں ہیں بالکل غلطی ہے اور آئیت کے بدیہی معنے اور اس کے منطوق کے بالکل برخلاف ہے بلکہ اللہ جلشانہ اس آیت میں یہ فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے انہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک بہشت بنایا ہے جس کے درخت ایمان اور جس کی نہریں اعمال صالحہ ہیں اسی بہشت کا وہ آئیندہ بھی پھل کھائیں گے اور وہ پھل زیادہ نمایاں اور شیریں ہوگا۔ اور چونکہ وہ روحانی طور پر اسی پھل کو دنیا میں کھا چکے ہونگے اس لئے دوسری دنیا میں اس پھل کو پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل معلوم ہوتے ہیں کہ جو پہلے ہمارے کھانے میں آچکے ہیں اور اس پھل کو اس پہلی خوراک سے مشابہ پائیں گے سو یہ آئیت صریح بتا رہی ہے کہ جو لوگ دنیا میں خدا کی محبت اور پیار کی غذا کھاتے تھے اب جسمانی شکل پر وہی غذا ان کو ملے گی اور چونکہ وہ پریت اور محبت کا مزہ چکھ چکے تھے اور اس کیفیت سے آگاہ تھے اس لئے ان کی روح کو وہ زمانہ یاد آجائیگا کہ جب وہ گوشوں اور خلوتوں میں اور رات کے اندھیروں میں محبت کے ساتھ اپنے محبوب حقیقی کو یاد کرتے اور اس یاد سے لذت اُٹھاتے تھے۔ غرض اس جگہ جسمانی غذاؤں کا کچھ ذکر نہیں اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ جبکہ روحانی طور پر عارفوں کو یہ غذا دنیا میں مل چکی تھی تو پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی نعمتیں ہیں کہ نہ دنیا میں کسی نے دیکھیں نہ سنیں اور نہ کسی کے دل میں گذریں اور اس صورت میں ان دونو آئیتوں میں تناقض پایا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تناقض اس صورت میں ہوتا کہ جب اس آئیت میں دنیا کی نعمتیں مراد ہوتیں لیکن اس جگہ دنیا کی نعمتیں مراد نہیں ہیں جو کچھ عارف کو معرفت کے رنگ میں ملتا ہے وہ درحقیقت دوسرے جہان کی نعمت ہوتی ہے جس کا نمونہ شوق دلانے کے لئے پہلے ہی دیا جاتا ہے یاد رکھنا چاہئے کہ باخدا آدمی دنیا میں سے نہیں ہوتا اس لئے تو دنیا اس سے بغض رکھتی ہے بلکہ وہ آسمان سے ہوتا ہے اس لئے آسمانی نعمت اس کو ملتی ہے دنیا کا آدمی دنیا کی نعمتیں پاتا ہے اور آسمان کا آسمانی نعمتیں حاصل کرتا ہے سو یہ بالکل سچ ہے کہ وہ نعمتیں دنیا کے کانوں اور دنیا کے دلوں اور دنیا کی آنکھوں سے چھپائی گئیں لیکن جس کی دنیوی زندگی پر موت آجائے

اور وہ پیالہ روحانی طور پر اس کو پلایا جائے جو آگے جسمانی طور پر پیا جائیگا اس کو نہ پیتا اس وقت یاد آجائیگا جبکہ وہی پیالہ جسمانی طور پر اس کو دیا جائے گا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ وہ اس نعمت سے دنیا کی آنکھ اور کان وغیرہ کو بیخبر سمجھے گا چونکہ وہ دنیا میں تھا اگرچہ دنیا میں سے نہیں تھا اس لئے وہ بھی گواہی دیگا کہ دنیا کی نعمتوں سے وہ نعمت نہیں۔ نہ دنیا میں اس کی آنکھ نے ایسی نعمت دیکھی نہ کان نے سنی اور نہ دل میں گذری۔ لیکن دوسری زندگی میں اس کے نمونے دیکھے جو دنیا میں سے نہیں تھی بلکہ وہ آنے والے جہان کی ایک خبر تھی اور اسی سے اس کا رشتہ اور تعلق تھا دنیا سے کچھ تعلق نہیں تھا اب قاعدہ کلی کے طور پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ موت کے بعد جو حالتیں پیش آتی ہیں قرآن شریف نے انہیں تین قسم پر منقسم کیا ہے اور عالم معاد کے متعلق یہ تین قرآنی معارف ہیں جن کو ہم جدا جدا اس جگہ ذکر کرتے ہیں +

پہلا دقیقہ معرفت

(۱) اول یہ دقیقہ معرفت ہے کہ قرآن شریف بار بار یہی فرماتا ہے کہ عالم آخرت کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کے تمام نظارے اسی دنیوی زندگی کے اظلال و آثار ہیں جیساکہ وہ فرماتا ہے وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ۝ یعنے ہم نے اسی دنیا میں ہر ایک شخص کے اعمال کا اثر اس کی گردن سے باندھ رکھا ہے اور انہیں پوشیدہ اثروں کو ہم قیامت کے دن ظاہر کر دینگے اور ایک کھلے کھلے اعمالنامہ کی شکل پر دکھاوینگے اس آیت میں جو طائر کا لفظ ہے تو واضح ہو کہ طائر اصل میں پرندہ کو کہتے ہیں پھر استعارہ کے طور پر اس سے مراد عمل بھی لیا گیا ہے کیونکہ ہر ایک عمل نیک ہو یا بد ہو وہ وقوع کے بعد پرندہ کی طرح پرواز کر جاتا ہے اور مشقت یا لذت اس کی کالعدم ہو جاتی ہے اور دل پر اس کی کثافت یا لطافت باقی رہجاتی ہے یہ قرآنی اصول ہے کہ ہر ایک عمل پوشیدہ طور پر اپنے نقوش جاتا رہتا ہے جس طور کا انسان کا فعل ہوتا ہے اس کے مناسب حال ایک خدا تعالےٰ کا فعل صادر ہوتا ہے اور وہ فعل اس گناہ کو یا اس کی نیکی کو ضایع ہونے نہیں دیتا بلکہ اس کے نقوش دل پر منہ پر آنکھوں پر کانوں پر ہاتھوں پر پیروں پر لکھے جاتے ہیں اور یہی پوشیدہ طور پر ایک اعمالنامہ ہے جو دوسری زندگی میں کھلے طور پر ظاہر ہو جائیگا اور پھر ایک دوسری جگہ بہشتیوں کے بارہ میں فرماتا ہے یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ یعنے اس دن بھی ایمانی نور جو

پوشیدہ طور پر مومنوں کو حاصل ہے کھلے کھلے طور پر ان کے آگے اور ان کے داہنے ہاتھ پر دوڑتا نظر آئے گا پھر ایک اور جگہ بدکاروں کو مخاطب کرکے فرماتا ہے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ۔ یعنے دنیا کی کثرت حرص وہوا نے تمہیں آخرت کی تلاش سے روک رکھا یہانتک کہ تم قبروں میں جا پڑے دنیا سے دل مت لگاؤ تم عنقریب جان لوگے کہ دنیا سے دل لگانا اچھا نہیں پھر میں کہتا ہوں کہ عنقریب تم جان لوگے کہ دنیا سے دل لگانا اچھا نہیں اگر تمہیں یقینی علم حاصل ہو تو تم دوزخ کو اسی دنیا میں دیکھ لوگے پھر برزخ کے عالم میں یقین کی آنکھوں کے ساتھ دیکھوگے پھر عالم حشر اجساد میں پورے مواخذہ میں آجاؤگے اور وہ عذاب تم پر کامل طور پر وارد ہوجائے گا اور صرف قال سے نہیں بلکہ حال سے تمہیں دوزخ کا علم حاصل ہوجائے گا۔ ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے صاف فرمادیا ہے کہ اسی جہان میں بدکاروں کے لئے جہنمی زندگی پوشیدہ طور پر ہوتی ہے اور اگر غور کریں تو اپنے دوزخ کو اسی دنیا میں دیکھ لیں گے اور اس جگہ اللہ تعالیٰ نے علم کو تین درجوں پر تقسیم کیا ہے یعنے علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ اور عام کے سمجھنے کے لئے ان تینوں علموں کی یہ مثالیں ہیں کہ اگر مثلاً ایک شخص دور سے کسی جگہ بہت سا دھواں دیکھے اور پھر دھوئیں سے ذہن منتقل ہوکر آگ کی طرف چلا جائے اور آگ کے وجود کا تعین کرے اور اس خیال سے کہ دھوئیں اور آگ میں ایک تعلق لاینفک اور ملازمت تامہ ہے جہاں دھواں ہوگا ضرور ہے کہ آگ بھی ہو پس اس علم کا نام علم الیقین ہے اور پھر جب آگ کے شعلے دیکھ لے تو اس علم کا نام عین الیقین ہے اور جب اس آگ میں آپ ہی داخل ہوجائے تو اس علم کا نام حق الیقین ہے۔ اب اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جہنم کے وجود کا علم الیقین تو اسی دنیا میں ہوسکتا ہے۔ پھر عالم برزخ میں عین الیقین حاصل ہوگا اور عالم حشر اجساد میں وہی علم حق الیقین کے کامل مرتبہ تک پہنچے گا*

اس جگہ واضح رہے کہ قرآنی تعلیم کے رو سے تین عالم ثابت ہوتے ہیں۔ اول دنیا جس کا نام عالم کسب اور نشاء اولےٰ ہے اسی دنیا میں انسان اکتساب نیکی کا یا بدی کا کرتا ہے اور اگرچہ عالم بعث میں نیکوں کے واسطے ترقیات ہیں۔ مگر وہ محض خدا کے فضل سے ہیں انسان کے کسب کو ان میں دخل نہیں (۲) اور

دوسرے عالم کا نام برزخ ہے اصل میں لفظ برزخ لغت عرب میں اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو دو چیزوں کے درمیان واقعہ ہو سو چونکہ یہ زمانہ عالم بعث اور عالم نشاء اولےٰ میں واقعہ ہے اس لئے اس کا نام برزخ ہے لیکن یہ لفظ قدیم سے اور جب سے کہ دنیا کی بنا پڑی عالم درمیانی پر بولا گیا ہے اس لئے اس لفظ میں عالم درمیانی کے وجود پر ایک عظیم الشان شہادت مخفی ہے ہم منن الرحمن میں ثابت کر چکے ہیں کہ عربی کے الفاظ وہ الفاظ ہیں جو خدا کے منہ سے نکلے ہیں اور دنیا میں فقط یہی ایک زبان ہے جو خدائے قدوس کی زبان اور قدیم اور تمام علوم کا سر چشمہ اور تمام زبانوں کی ماں اور خدا کی وحی کا پہلا اور پچھلا تخت گاہ ہے خدا کی وحی کا پہلا تخت گاہ اس لئے کہ تمام عربی خدا کا کلام تھا جو قدیم سے خدا کے ساتھ تھا پھر وہی کلام دنیا میں اترا اور دنیا نے اس سے اپنی بولیاں بنائیں اور آخری تخت گاہ خدا کا اس لئے لغت عربی ٹھہری کہ آخری کتاب خدا تعالیٰ کی جو قرآن شریف ہے عربی میں نازل ہوئی سو برزخ عربی لفظ ہے جو مرکب ہے زَخّ اور بَر سے جس کے معنے یہ ہیں کہ طریق کسب اعمال ختم ہو گیا اور ایک مخفی حالت میں پڑ گیا۔ برزخ کی حالت وہ حالت ہے کہ جب یہ ناپائیدار ترکیب انسانی تفرق پذیر ہو جاتی ہے اور روح الگ اور جسم الگ ہو جاتا ہے اور جیسا کہ دیکھا گیا ہے جسم کسی گڑھے میں ڈال دیا جاتا ہے اور روح بھی ایک قسم کے گڑھے میں پڑ جاتی ہے جس پر لفظ زخ کا دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ افعال کسب خیر یا شر پر قادر نہیں ہو سکتی کہ جو جسم کے تعلقات سے اس سے صادر ہو سکتے تھے یہ تو ظاہر ہے کہ ہماری روح کی عمدہ صحت جسم پر موقوف ہے دماغ کے ایک خاص حصہ پر چوٹ لگنے سے حافظہ جاتا رہتا ہے اور دوسرے حصہ پر آفت پہنچنے سے قوت متفکرہ رخصت ہوتی ہے اور تمام ہوش و حواس رخصت ہو جاتے ہیں اور دماغ میں اب کسی قسم کا تشنج ہو جائے یا ورم پیدا ہو یا خون یا کوئی اور مادہ ٹھہر جائے اور کسی سدہ تام یا غیر تام کو پیدا کرے تو غشی امرگی یا سکتہ معاً لاحق حال ہو جاتا ہے پس ہمارا قدیم کا تجربہ ہمیں یقینی طور پر سکھلاتا ہے کہ ہماری روح بغیر تعلق جسم کے بالکل نکمی ہے سو یہ بات بالکل باطل ہے کہ ہم ایسا خیال کریں کہ کسی وقت میں ہماری مجرد روح جس کے ساتھ جسم نہیں ہے کسی خوشحالی کو پا سکتی ہے اگر ہم قصہ کے طور پر اس کو قبول کریں تو کریں لیکن معقولی طور پر اس کے ساتھ کوئی دلیل نہیں ہم بالکل سمجھ نہیں سکتے کہ وہ ہماری روح جو جسم کے ادنے ادنے خلل کے وقت بیکار ہو کر بیٹھ جاتی ہے وہ اس روز کیونکر کامل حالت پر رہے گی جبکہ بالکل جسم کے تعلقات سے محروم کی جائیگی کیا ہر روز ہمیں تجربہ نہیں سمجھاتا کہ روح کی صحت کے لئے جسم کی صحت ضروری ہے جب ایک شخص ہم میں سے پیر فرتوت ہو جاتا ہے تو ساتھ ہی اس کی روح بھی بڈھی ہو جاتی ہے اس کا تمام علمی سرمایہ بڑھاپے کا

چور چرا کر لے جاتا ہے جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا یعنے انسان بڈھا ہو کر ایسی حالت تک پہنچ جاتا ہے کہ پڑھ پڑھا کر پھر جاہل بنجاتا ہے پس ہمارا یہ مشاہدہ اس بات پر کافی دلیل ہے کہ روح بغیر جسم کے کچھ چیز نہیں پھر یہ خیال بھی انسان کو حقیقی سچائی کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ اگر روح بغیر جسم کے کچھ چیز ہوتی تو خدا تعالیٰ کا یہ کام لغو ٹھہرتا کہ اس کو خواہ نخواہ جسم فانی سے پیوند دیدیتا اور پھر یہ بھی سوچنے کے لائق ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو غیر متناہی ترقیات کے لئے پیدا کیا ہے پس جس حالت میں انسان اس مختصر زندگی کی ترقیات کو بغیر رفاقت جسم کے حاصل نہیں کر سکا تو کیونکر امید رکھیں کہ ان نامتناہی ترقیات کو جو ناپیدا کنار ہیں بغیر رفاقت جسم کے خود بخود حاصل کر لیگا سو ان تمام دلائل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ روح کے افعال کاملہ صادر ہونے کیلئے اسلامی اصول کے رو سے جسم کی رفاقت روح کے ساتھ دائمی ہے گو موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے مگر عالم برزخ میں مستعار طور پر ہر ایک روح کو کسی قدر اپنے اعمال کا مزہ چکھنے کیلئے جسم ملتا ہے وہ جسم اس جسم کی قسم میں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نور سے یا ایک تاریکی سے جیسا کہ اعمال کی صورت ہو جسم تیار ہوتا ہے گویا کہ اس عالم میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں ایسا ہے خدا کے کلام میں بار بار ذکر آیا ہے اور بعض جسم نورانی اور بعض ظلمانی قرار دیئے ہیں جو اعمال کی روشنی یا اعمال کی ظلمت سے تیار ہوتے ہیں اگرچہ یہ راز ایک نہایت دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں۔ انسان کامل اسی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کثیف جسم کے علاوہ پا سکتا ہے اور عالم مکاشفات میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ اگرچہ ایسے شخص کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے جو صرف ایک موٹی عقل کی حد تک ٹھہرا ہوا ہے۔ لیکن جن کو عالم مکاشفات میں سے کچھ حصہ ہے وہ اس قسم کے جسم کو جو اعمال سے تیار ہوتا ہے تعجب اور استبعاد کی نگہ سے نہیں دیکھیں گے بلکہ اس مضمون سے لذت اٹھائینگے غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے ملتا ہے یہی عالم برزخ میں نیک بد کی جزا کا موجب ہو جاتا ہے میں اس میں صاحب تجربہ ہوں مجھے کشفی طور پر عین بیداری میں بارہا بعض مردوں کی ملاقات کا اتفاق ہوا ہے۔ اور میں نے بعض فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھا کہ گویا وہ دھوئیں سے بنایا گیا ہے غرض میں اس کوچہ سے ذاتی واقفیت رکھتا ہوں اور میں زور سے کہتا ہوں کہ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے ایسا ہی ضرور مرنے کے بعد ہر ایک کو ایک جسم ملتا ہے خواہ نورانی خواہ ظلمانی انسان کی یہ غلطی ہوگی اگر وہ ان نہایت باریک معارف کو صرف عقل کے ذریعہ سے ثابت کرنا چاہے بلکہ جاننا چاہئے کہ جیسا کہ آنکھ شیریں چیز کا مزہ نہیں

بتلا سکتی اور نہ زبان کسی چیز کو دیکھ سکتی ہے ایسا ہی وہ علوم معاد جو پاک مکاشفات سے حاصل ہو سکتے ہیں صرف عقل کے ذریعہ سے ان کا عقدہ حل نہیں ہو سکتا خدا نے اس دنیا میں مجہولات کے جاننے کیلئے علیحدہ علیحدہ وسائل رکھے ہیں پس ہر ایک چیز کو اس کے وسیلہ کے ذریعہ سے ڈھونڈو تب اسے پالوگے ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ خدا نے ان لوگوں کو جو بدکاری اور گمراہی میں پڑ گئے اپنے کلام میں مردہ کے نام سے موسوم کیا ہے اور نیکوکاروں کو زندہ قرار دیا ہے اس میں بھید یہ ہے کہ جو لوگ خدا سے غافل ہوئے ان کی زندگی کے اسباب جو کھانا پینا اور شہوتوں کی پیروی تھی منقطع ہو گئے اور روحانی غذا سے ان کو کچھ حصہ نہ تھا پس وہ درحقیقت مر گئے اور وہ صرف عذاب اٹھانے کے لئے زندہ ہونگے اسی بھید کی طرف اللہ جلشانہ نے اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ کہتا ہے وَمَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى یعنے جو شخص مجرم بنکر خدا کے پاس آئے گا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے وہ اس میں نہ مریگا اور نہ زندہ رہیگا مگر جو لوگ خدا کے محبوب ہیں وہ موت سے نہیں مرتے کیونکہ ان کا پانی اور ان کی روٹی ان کے ساتھ ہوتی ہے پھر برزخ کے بعد وہ زمانہ ہے جس کا نام عالم بعث ہے اس زمانہ میں ہر ایک روح نیک ہو یا بد صالح ہو یا فاسق ایک کھلا کھلا جسم حاصل کرے گی اور یہ دن خدا کی ان پوری تجلیات کے لئے مقرر کیا گیا ہے جس میں ہر ایک انسان اپنے رب کی ہستی سے پورے طور پر واقف ہو جائے گا اور ہر ایک شخص اپنے جزا کی انتہائی نقطہ تک پہنچے گا یہ تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ خدا سے یہ کیونکر ہو سکے گا کیونکہ وہ ہر ایک قدرت کا مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ یعنے کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو ایک قطرہ پانی سے پیدا کیا جو رحم میں ڈالا گیا تھا پھر وہ ایک جھگڑنے والا آدمی بن گیا ہمارے لئے باتیں بنانے لگا اور اپنی پیدایش بھول گیا اور کہنے لگا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ جبکہ ہڈیاں بھی سلامت نہیں رہیں گی تو پھر انسان نئے سرے زندہ ہو گا ایسی قدرت والا کون ہے جو اس کو زندہ کرے گا ان کو کہہ ہی زندہ

کرنے کا جس نے پہلے اس کو پیدا کیا تھا اور وہ ہر ایک قسم سے اور ہر ایک راہ سے زندہ کرنا جانتا ہے اس کے حکم کی یہ شان ہے کہ جب کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو صرف یہی کہتا ہے کہ ہو پس وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے پس وہ ذات پاک ہے جس کی ہر ایک چیز پر بادشاہی ہے اور تم سب اسی کی طرف رجوع کرو گے۔ سو ان آیات میں اللہ جل شانہ نے فرما دیا ہے کہ خدا کے آگے کوئی چیز انہونی نہیں جس نے ایک قطرہ حقیر سے انسان کو پیدا کیا کیا وہ دوسرے مرتبہ پیدا کرنے سے عاجز ہے +

اس جگہ ایک اور سوال ناواقفوں کی طرف سے ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جس حالت میں تیسرا عالم جو عالم بعث ہے مدت دراز کے بعد آئے گا تو اس صورت میں ہر ایک نیک و بد کے لئے عالم برزخ صرف بطور حوالات کے ہوا جو ایک امر عبث معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا سمجھنا سراسر غلطی ہے جو محض ناواقفی سے پیدا ہوتی ہے بلکہ خدا کی کتاب میں نیک و بد کی جزا کے لئے دو مقام پائے جاتے ہیں ایک عالم برزخ جس میں مخفی طور پر ہر ایک شخص اپنی جزا پائے گا بُرے لوگ مرنے کے بعد ہی جہنم میں داخل ہونگے نیک لوگ مرنے کے بعد ہی جنت میں آرام پائیں گے چنانچہ اس قسم کی آئیتیں قرآن شریف میں بکثرت ہیں کہ مجرد موت کے ہر ایک انسان اپنے اعمال کی جزا دیکھ لیتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ ایک بہشتی کے بارہ میں خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ یعنے اس کو کہا گیا کہ تو بہشت میں داخل ہو اور ایسا ہی ایک دوزخی کی خبر دیکر فرماتا ہے فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ یعنے ایک بہشتی کا ایک دوست دوزخی تھا جب وہ دونوں مر گئے تو بہشتی حیران تھا کہ میرا دوست کہاں ہے پس اس کو دکھلایا گیا کہ وہ جہنم کے درمیان ہے سو جزا سزا کی کارروائی تو بلا توقف شروع ہو جاتی ہے اور دوزخی دوزخ میں اور بہشتی بہشت میں جاتے ہیں مگر اس کے بعد ایک اور تجلی اعلیٰ کا دن ہے جو خدا کی بڑی حکمت نے اس دن کے ظاہر کرنے کا تقاضا کیا ہے کیونکہ اس نے انسان کو پیدا کیا تا وہ اپنی خالقیت کے ساتھ شناخت کیا جائے اور پھر وہ سب کو ہلاک کریگا تا کہ وہ اپنی قہاریت کے ساتھ شناخت کیا جائے اور پھر ایک دن سب کو کامل زندگی بخش کر ایک میدان میں جمع کریگا تا کہ وہ اپنی قادریت کے ساتھ پہچانا جائے اب جاننا چاہئے کہ دقائق مذکورہ میں سے یہ پہلا دقیقہ معرفت تھا جس کا بیان ہوا +

دوسرا دقیقہ معرفت

دوسرا دقیقہ معرفت جس کو عالم معاد کے متعلق قرآن شریف نے ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے

کہ عالم معاد میں وہ تمام امور جو دنیا میں روحانی تھے جسمانی طور پر متمثل ہونگے خواہ عالم معاد میں برزخ کا درجہ ہو یا عالم بعث کا درجہ اس بارہ میں جو کچھ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے اس میں سے ایک یہ آیت ہے۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا یعنے جو شخص اس جہان میں اندھا ہوگا وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہوگا اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اس جہان کی روحانی نابینائی اس جہان میں جسمانی طور پر مشہود اور محسوس ہوگی ایسا ہی دوسری آیت میں فرماتا ہے خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ یعنے اس جہنمی کو پکڑو اس کی گردن میں طوق ڈالو پھر دوزخ میں اس کو جلاؤ پھر ایسی زنجیر میں جو پیمایش میں ستّر گز ہے اس کو داخل کرو جاننا چاہئیے کہ ان آیات میں ظاہر فرمایا ہے کہ دنیا کا روحانی عذاب عالم معاد میں جسمانی طور پر نمودار ہوگا چنانچہ طوق گردن دنیا کی خواہشوں کا جس نے انسان کے سر کو زمین کی طرف جھکا رکھا تھا وہ عالم ثانی میں ظاہری صورت پر نظر آجائے گا اور ایسا ہی دنیا کی گرفتاریوں کی زنجیر پیروں میں پڑی ہوئی دکھائی دے گی اور دنیا کی خواہشوں کی سوزشوں کی آگ ظاہر ظاہر بھڑکی ہوئی نظر آئے گی۔ فاسق انسان دنیا کی زندگی میں ہوا و ہوس کا ایک جہنم اپنے اندر رکھتا ہے اور ناکامیوں میں اس جہنم کی سوزشوں کا احساس کرتا ہے پس جبکہ اپنی فانی شہوات سے دور ڈالا جائے گا اور ہمیشہ کی ناامیدی طاری ہوگی تو خدا تعالیٰ ان حسرتوں کو جسمانی آگ کے طور پر اس پر ظاہر کرے گا جیساکہ وہ فرماتا ہے وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ ۝ یعنے ان میں اور ان کی خواہشوں کی چیزوں میں جدائی ڈالی جائے گی اور یہی عذاب کی جڑ ہوگی اور پھر یہ جو فرمایا کہ ستّر گز کی زنجیر میں اسکو داخل کرو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک فاسق بسا اوقات ستّر برس کی عمر پا لیتا ہے بلکہ کئی دفعہ اس دنیا میں اسکو ایسے ستّر برس بھی ملتے ہیں کہ خورد سالی کی عمر اور پیر فرتوت ہونے کی عمر الگ کرکے پھر اس قدر صاف اور خالص حصہ عمر کا اس کو ملتا ہے جو عقلمندی اور محنت اور کام کے لائق ہوتا ہے لیکن وہ بدبخت اپنی عمدہ زندگی کے ستّر برس دنیا کی گرفتاریوں میں گذارتا ہے اور اس زنجیر سے آزاد ہونا نہیں چاہتا سو خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ وہی ستّر برس جو اس نے گرفتاری دنیا میں گذارے تھے عالم معاد میں ایک زنجیر کی طرح متمثل ہو جائیں گے جو ستّر گز کی ہوگی۔ ہر ایک گز بجائے ایک سال کے ہے اس جگہ یاد رکھنا چاہئیے کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے بندہ پر کوئی مصیبت نہیں ڈالتا بلکہ وہ انسان کے اپنے بُرے کام اسکے آگے رکھدیتا

ہے پھر اسی اپنی سنت کے اظہار میں خدا تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتا ہے اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ لَّا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّھَبِ یعنے اے بدکارو گمراہو سہ گوشہ سایہ کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جو سایہ کا کام نہیں دے سکتیں اور نہ گرمی سے بچا سکتی ہیں اس آیت میں تین شاخوں سے مراد قوت سبعی اور بہیمی اور وہمی ہے جو لوگ ان تینوں قوتوں کو اخلاقی رنگ میں نہیں لاتے اور ان کی تعدیل نہیں کرتے ان کی یہ قوتیں قیامت میں اس طرح پر نمودار کی جائیں گی کہ گویا تین شاخیں بغیر پتوں کے کھڑی ہیں اور گرمی سے بچا نہیں سکتیں اور وہ گرمی سے جلیں گے پھر ایسا ہی خدا تعالیٰ اپنی اسی سنت کے اظہار کے لئے بہشتیوں کے حق میں فرماتا ہے یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ یعنے اس روز تو دیکھے گا کہ مومنوں کا یہ نور جو دنیا میں پوشیدہ طور پر ہے ظاہر ظاہر ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف دوڑتا ہوگا اور پھر ایک اور آیت میں فرماتا ہے یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ یعنے اس دن بعض منہ سیہ ہو جائیں گے اور بعض سفید اور نورانی ہو جائیں گے اور پھر ایک اور آیت میں فرماتا ہے مَثَلُ الْجَنَّۃِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْھَآ اَنْھٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ وَاَنْھٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُہٗ وَاَنْھٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَاَنْھٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ۵ یعنے وہ بہشت جو پرہیزگاروں کو دیا جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک باغ ہے اس میں اس پانی کی نہریں ہیں جو کبھی متعفن نہیں ہوتا۔ اور نیز اس میں اس دودھ کی نہریں ہیں جس کا کبھی مزہ نہیں بدلتا اور نیز اس میں اس شراب کی نہریں ہیں جو سراسر سرور بخش ہے جس کے ساتھ خمار نہیں۔ اور نیز اس میں اس شہد کی نہریں ہیں جو نہایت صاف ہے جس کے ساتھ کوئی کثافت نہیں اس جگہ صاف طور پر فرمایا کہ اس بہشت کو مثالی طور پر یوں سمجھ لو کہ ان تمام چیزوں کی اس میں ناپید اکنار نہریں ہیں وہ زندگی کا پانی جو عارف دنیا میں روحانی طور پر پیتا ہے اس میں ظاہری طور پر موجود ہے اور وہ روحانی دودھ جس سے وہ شیر خوار بچہ کی طرح روحانی طور پر دنیا میں پرورش پاتا ہے بہشت میں ظاہر ظاہر دکھائی دیگا اور وہ خدا کی محبت کی شراب جس سے وہ دنیا میں روحانی طور پر ہمیشہ مست رہتا تھا اب بہشت میں ظاہر ظاہر اس کی نہریں نظر آئیں گی اور وہ حلاوت ایمانی کا شہد جو دنیا میں روحانی طور پر عارف کے منہ میں جاتا تھا وہ بہشت میں محسوس اور نمایاں نہروں کی طرح دکھائی دے گا۔ اور ہر ایک بہشتی اپنی نہروں اور اپنے باغوں کے ساتھ اپنی روحانی حالت کا اندازہ برہنہ کرکے دکھلا دیگا

اور خدا بھی اس دن بہشتیوں کیلئے حجابوں سے باہر آجائیگا غرض روحانی حالتیں مخفی نہیں رہیں گی بلکہ جسمانی طور پر نظر آئیں گی۔

تیسرا دقیقہ معرفت

تیسرا دقیقہ معرفت کا یہ ہے کہ عالم معاد میں ترقیات غیر متناہی ہوں گی اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنے جو لوگ دنیا میں ایمان کا نور رکھتے ہیں ان کا نور قیامت کو ان کے آگے اور ان کی دہنی طرف دوڑتا ہوگا وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ اے خدا ہمارے نور کو کمال تک پہنچا اور اپنی مغفرت کے اندر ہمیں لے لے تو ہر چیز پر قادر ہے اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ ہمارے نور کو کمال تک پہنچا یہ ترقیات غیر متناہیہ کی طرف اشارہ ہے یعنے ایک کمال نورانیت کا انہیں حاصل ہوگا پھر دوسرا کمال نظر آئے گا۔ اس کو دیکھ کر پہلے کمال کو ناقص پائیں گے پس کمال ثانی کے حصول کے لئے التجا کرینگے اور جب وہ حاصل ہوگا تو ایک تیسرا مرتبہ کمال کا ان پر ظاہر ہوگا۔ پھر اس کو دیکھ کر پہلے کمالات کو ہیچ سمجھیں گے اور اس کی خواہش کرینگے یہی ترقیات کی خواہش ہے جو اَتْمِمْ کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے۔

غرض اسی طرح غیر متناہی سلسلہ ترقیات کا چلا جائیگا تنزل کبھی نہیں ہوگا اور نہ کبھی بہشت سے نکالے جائیں گے بلکہ ہر روز آگے بڑھینگے اور پیچھے نہ ہٹینگے اور یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ اپنی مغفرت چاہینگے اس جگہ سوال یہ ہے کہ جب بہشت میں داخل ہوگئے تو پھر مغفرت میں کیا کسر رہ گئی۔ اور جب گناہ بخشے گئے تو پھر استغفار کی طرف کونسی حاجت رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مغفرت کے اصل معنے یہ ہیں ناملائم اور ناقص حالت کو نیچے دبانا اور ڈھانکنا سو بہشتی اس بات کی خواہش کرینگے کہ کمال تام حاصل کریں اور سراسر نور میں غرق ہو جائیں وہ دوسری حالت کو دیکھ کر پہلی حالت کو ناقص پائیں گے پس چاہیں گے کہ پہلی حالت نیچے دبائی جائے پھر تیسرے کمال کو دیکھ کر یہ آرزو کرینگے کہ دوسرے کمال کی نسبت مغفرت ہو یعنے وہ حالت ناقصہ نیچے دبائی جائے اور مخفی کیجائے اسی طرح غیر متناہی مغفرت کے خواہشمند رہیں گے یہ وہی لفظ مغفرت اور استغفار کا ہے جو بعض نادان بطور اعتراض ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیش کیا کرتے ہیں سو ناظرین نے اس جگہ سے سمجھ لیا ہوگا کہ یہی خواہش استغفار فخر انسان ہے جو شخص

کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے استغفار اپنی عادت نہیں پکڑتا۔ وہ کیڑا ہے نہ انسان اور اندھا ہے نہ سوجاکھا اور ناپاک ہے نہ طیب +

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن شریف کی رو سے دوزخ اور بہشت دونوں اصل میں انسان کی زندگی کے اظلال اور آثار ہیں۔ کوئی ایسی نئی جسمانی چیز نہیں ہے کہ جو دوسری جگہ سے آوے۔ یہ سچ ہے کہ وہ دونوں جسمانی طور سے متمثل ہونگے مگر وہ اصل روحانی حالتوں کے اظلال و آثار ہونگے ہم لوگ ایسے بہشت کے قائل نہیں کہ صرف جسمانی طور پر ایک زمین میں درخت لگائے گئے ہوں اور نہ ایسے دوزخ کے ہم قائل ہیں جس میں درحقیقت گندھک کے پتھر ہیں۔ **بلکہ اسلامی عقیدہ کے موافق بہشت دوزخ انہیں اعمال کے انعکاسات ہیں جو دنیا میں انسان کرتا ہے +**

باقی آئندہ

فارقلیط

اول سے آخر تک بائیبل کی تمام پیشگوئیوں کو بے ثمر کوششوں کے ساتھ یسوع ناصری کے حق میں ثابت کرنے کے لئے عیسائی **مباحثین** اکثر ایسا طرز اختیار کرتے ہیں جس سے بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ **مشکوک بیانات** زیادہ تر ان کے مفید مطلب ہوتے ہیں کیونکہ وہ آسانی سے ان کے معانی کو مروڑ توڑ کر جہاں چاہتے ہیں لگا لیتے ہیں۔ پیشگوئیوں کی تفسیر میں ان کا ایک ہی اصول ہے اور وہ یہ ہے کہ پیش گوئی یسوع پر لگائی جاوے خواہ عبارت کے معنے کچھ ہی کرنے پڑیں ان کا کام دراصل بہت مشکل ہے اور نجات کا ڈھانچہ جو انہوں نے بنایا ہے وہ عقل سے ایسا مخالف پڑا ہے کہ اس کے سہارنے کے لئے ایسے نکمے ذرایعہ اختیار کرنے سے ہمیں ان کو روکنا نہیں چاہئے۔ لیکن جب وہ کتاب کے مطلب کو بگاڑنے لگ جاتے ہیں اور عقل انسانی پر حملہ کرتے ہیں تب انکی طرف متوجہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ صرف ایک مثال اس امر کے اظہار کے لئے کافی ہوگی کہ عیسائی لوگ کس طرح صحف انبیاء کی ہر ایک نبوت کا مقصد و مدعا یسوع کو ہی بنا دیتے ہیں کتاب استثنا باب ۱۸/۱۸ میں خدائے قادر حضرت موسے کو فرماتا ہے کہ میں ان کے لئے ان میں سے ان کے بھائیوں میں سے **تیری ہی مانند** ایک نبی برپا کرونگا۔ اب عیسائی صاحبان اس جگہ فرماتے ہیں

کہ یہ نبوت یسوع میں پوری ہوئی اور یسوع موسے کا مثیل موعود تھا کیونکہ جیسے موسے نے ایک اجنبی ظالم کے پنجے سے اپنی قوم کو چھوڑایا تھا۔ ایسا ہی یسوع نے دنیا کو گناہ کی لعنت سے چھوڑایا تھا اور جیسا موسے نے اپنی قوم کو پھر آزاد کردیا تھا ایسا ہی یسوع نے بنی آدم کا اللہ تعالے کے ساتھ سچا اصلی تعلق پیدا کرادیا۔ پھر عیسائی صاحبان فرماتے ہیں کہ جیساکہ موسے اپنی قوم کا بادشاہ اور سردار تھا ایسا ہی یسوع روحانی بادشاہ اور سردار تھا۔ ایسے بے بنیاد بیانات پر ہمیں کہا جاتا ہے کہ ہم عیسائی صاحبان کا کہنا مان لیں کہ تمام پیش گوئیاں یسوع پر ہی لگتی ہیں۔ اگر یسوع حضرت موسے کی مانند قوم کو کوئی شریعت عطا کرتا اگر یسوع قوم کو رومی سلطنت کے جوے سے آزاد کرا کر موسی کی طرح انکا بادشاہ اور سردار بنتا تب بھی کچھ بات ایسی بن جاتی کہ یسوع پر یہ پیش گوئی لگائی جا سکے۔ مگر عیسائی اس مشکل کو اس جھوٹے دعوی سے حل کرتے ہیں کہ یسوع نے ایک روحانی آزادی اور روحانی سلطنت عطا کی اور وہ روحانی سردار تھا۔ میں اسے جھوٹا دعوے اس لئے کہتا ہوں کہ تمام دنیا تو کیا صرف عیسائی قوم نے بھی اب تک گناہ سے نجات نہیں پائی بلکہ عیسائیت میں داخل ہو کر وہ اور بھی زیادہ گناہ کی گہرائیوں میں غرق ہو گئی ہے۔ اور سرداری کا دعوے بھی جھوٹا ہے۔ کیونکہ یہ بات واقعات صحیحہ کے مخالف ہے یہود یسوع کو نہ جسمانی سردار جانتے ہیں اور نہ روحانی بلکہ وہ اس کی انجیل کا انکار کرتے ہیں اور اسے نفرت سے دیکھتے اور کافر جانتے ہیں اور خدا کے حضور میں مجرم قرار دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں جو دعوے یسوع کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ان کا مدعی تو ہر ایک بکواسی کاذب ہو سکتا ہے پھر یہ سوچنا چاہئے اگر روحانی سرداری ہی کو لینا ہے تو ہر ایک نبی روحانی منجی اور روحانی معنوں میں موسے کا مثیل ہوا ہے کیا خود موسے اپنی قوم کا روحانی منجی اور روحانی امام نہ تھا لیکن یہ بات اس بڑے صاحب شریعت نبی کے لئے کوئی خاص ممتاز امر نہ تھا۔ کیا یشوعہ سے لیکر یوحنا بپتسمہ دینے والے تک ہر ایک نبی اپنی قوم کا روحانی نجات دہندہ اور روحانی امام نہیں ہوا؟ اگر روحانی نجات اور روحانی سرداری ہی کو لیں تو پھر یسوع سے پہلے ہزاروں ایسے انبیاء گذرے ہیں جو کتاب استثناء کی پیش گوئی کے مطابق یسوع سے بڑھ کر مثیل موسی کہلانے کے مستحق ہیں۔ حضرت موسے کے زمانہ میں یہود کو نہ صرف روحانی نجات کی ضرورت تھی بلکہ اس بات کی بھی بڑی ضرورت تھی کہ جسمانی دکھوں اور تکلیفوں سے انکو بچایا جائے سو حضرت

موسےنے دونوں کام کئے۔ علاوہ ازیں حضرت موسےنے ان کو ایک کتاب شریعت عطا کی جو ان کے اعمال و افعال میں ان کی راہبر ہوئی۔ یہی باتیں ہیں جو نہ یسوع نے کیں اور نہ وہ کر سکتا تھا کیونکہ وہ خود موسوی شریعت کا ایک خادم تھا۔ پس موسے کے ساتھ مماثلت کے لئے یسوع کی روحانی سرداری اور روحانی نجات کی طرف نہیں دیکھنا چاہئے کیونکہ یہ باتیں تو سب انبیاء میں مشترک تھیں بلکہ اس مماثلت کے لئے یسوع کی سوانح میں سے قوم یہود کی ملکی سرداری اور یہودیوں کو غیر قوموں کی اطاعت سے نجات دلانا اور ان کے لئے صاحب شریعت ہونا تلاش کرنا چاہئے۔ اگر صحیح دلائل نہوں تو پھر ہر ایک بات بیہودہ ہے۔ ایک اور لحاظ سے بھی یسوع اس پیش گوئی کا مصداق نہیں ہو سکتا اور وہ یہ ہے کہ یسوع اپنے سلسلہ نسب میں کسی اسرائیلی یا اسماعیلی باپ کو بیان نہیں کر سکتا اس واسطے وہ الفاظ "اُن کے بھائیوں میں سے" کا مصداق نہیں ٹھہر سکتے میں خیال کرتا ہوں کہ اب یہ مضمون طول کھینچ گیا ہے اور میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اس پیش گوئی کی تصدیق کے متعلق اور زیادہ بحث کروں کہ اصل مصداق اس کا کون ہے لیکن میں اتنا نوٹ اور دینا چاہتا ہوں کہ وہ پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو مکہ میں پیدا ہوا تھا ہی اس نبوت کے تمام شرائط کو پورا کرنے والا ہوا۔ وہ پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسماعیلیوں میں سے پیدا ہوا تھا اور . . . توریت کی پیش گوئی کے مطابق انکے (یعنی اسرائیلیوں کے) بھائیوں میں سے تھا اس نے تمام کو ایک کامل شریعت عطا کی اور اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے اسکو موسیٰ کا مثیل ٹھیرایا۔ وہ حضرت موسیٰ کی طرح ان کا ہردو روحانی اور جسمانی بادشاہ تھا۔ اور اس نے پہلے شارع کی طرح اپنی امت کی دنیوی حالت کو بھی درست کردیا بلکہ انہیں تمام دنیا کا فاتح بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ کے ہزاروں ہزار صلوٰۃ اور سلام اور برکات اور رحمتیں نازل ہوں اسپر اور اسکی آل پر اور اسکے احباب پر اور اسکے ناصرین پر آمین ثم آمین +

عیسائی صاحبان جس طریق سے پیشگوئیوں کی تفسیر کیا کرتے ہیں اس کا ایک نمونہ ان دنوں عیسائیوں کے ہفتہ وار پرچہ ایپی فینی مورخہ ۱۷ مئی سنہ ۱۹۰۲ء میں فار قلیط کی سرخی میں نمودار ہوا ہے ہمیں اس بات کے بیان کرنے میں کچھ تامل نہیں کہ اگرچہ پہلے تمام انبیاء ہمارے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش گوئیاں کرتے آئے ہیں اور شہادتیں دیتے آئے ہیں اور وہ سب نبوتیں کسی قدر بدلی ہوئی یا اپنی اصلی صورتوں میں پرانے اور نئے عہد نامہ کے صحائف میں موجود ہیں تاہم مذہب اسلام عیسائیت کی طرح اپنی حقیت کی بنیاد صرف ان پیشگوئیوں پر نہیں رکھتا بلکہ یہ

پاک مذہب اپنی سچائی اور ضرورت کے لئے نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ بکثرت ثبوت پیش کرتا ہے ہم ان پیش گوئیوں کو صرف زائد تصدیق کے لئے بیان کرتے ہیں ورنہ ہمارا کامل یقین ہے کہ اگر روئے زمین سے یہ تمام کتابیں مٹ جائیں تب بھی اسلام کو اپنی حقیت کے ثبوت کرنے میں ایک ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن شریف بجائے خود اپنی صداقت کا آپ ایک بھاری ثبوت ہے اور قیامت تک رہے گا اور یہ پاک کتاب کسی طرح استثنا ر یا یوحنا کی انجیل کی شہادتوں کے ممنون احسان نہیں ہے۔ عیسائیت یہودیت کی ایک شاخ ہونے کے سبب اس بات کی محتاج تھی کہ اپنا تمام ڈھانچہ پہلی کتابوں کے مشکوک بیانات کی متزلزل بنیاد پر قایم کرے کیونکہ خود اس کے وجود میں اپنی صداقت کی کوئی اندرونی شہادت نہ تھی۔ لیکن صداقت اسلام کی اصلی شہادت خود اسلام میں موجود ہے اور وہ باہر کی محتاج نہیں۔ بلکہ یہ دوسری کتابوں کو ایک فخر حاصل ہے کہ ان میں اس مقدس کتاب کے لئے شہادتیں موجود ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ موجودہ مجموعہ بائیبل میں بعض متفرق صداقتیں بہت سے کذب اور انسانی اختراعات کے ساتھ گڈمڈ ہو گئی ہیں۔ خدا کا کلام جو موسےٰ اور عیسےٰ اور دیگر انبیاء پر نازل ہوا تھا وہ معمولی لوگوں کی تصنیف شدہ کتابوں میں پورے طور پر محفوظ نہ رہ سکا پس جہاں اس نبیوں کے سردار حبیب خدا محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق تصدیق کرنیوالی پیش گوئیاں ان صحائف میں موجود ہیں وہاں ان عبارتوں کے کلام الٰہی ... ہونے کا ثبوت موجود ہے اور اس حد تک قرآن شریف ان کتابوں کی تصدیق کر کے انکو اپنا ممنون احسان بناتا ہے +

یہ وہ طرز ہے جس کو مدنظر رکھ کر مسلمان پہلی کتابوں کی پیش گوئیوں کو اپنے نبی کی صداقت کے لئے بطور گواہ پیش کرتے ہیں۔ پس جب کبھی ہم کسی پیشگوئی کو پاک محمد مصطفےٰ پر لگتا ہوا ثابت کرتے ہیں تو یہ امر خود اس کلام پیشگوئی کی عزت بنانے کی خاطر ایسا کہا جاتا ہے کیونکہ اگر وہ ناجائز طور پر کسی اور کی تصدیق میں لگائی جائے تو عقل انسانی کے مخالف ہو کر وہ نہ صرف خود قابل اعتراض ہو جاتی ہے بلکہ اس کتاب پر بھی ایک بڑا اعتراض وارد ہوتا ہے جس میں وہ درج ہو اگر یوحنا کی انجیل کے وہ الفاظ جن میں فارقلیط کے آمد کی پیشگوئی کی گئی ہے بےمعنی نہیں اور ان سے کوئی معنے نکل سکتے ہیں تو وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگ سکتے ہیں اور انکے سوا کسی ایسے فرضی روح پر نہیں لگ سکتے جس نے حواریوں پر وارد ہو کر انکے درمیان ایک ایسی تبدیلی پیدا کی ہو جسکے پیدا کرنے میں تثلیث کا اقنوم ثانی ناکام گذر گیا تھا سب سے

اول خود لفظ فارقلیط کے معنے دیکھنے چاہئے کہ کیا ہیں۔ مسلمان ہمیشہ اس بات کو بیان کرتے آئے ہیں کہ اصل لفظ پاراکلیتس جیسا کہ یونانی انجیلوں میں پایا جاتا ہے نہیں ہے بلکہ اصل لفظ پیری کلوتس ہے اور ہر دو الفاظ کی باہمی شباہت اور قلمی نسخوں کی حفاظت نہ ہونے اور ان قلمی نسخوں سے اصلی منبع یعنے زبانی روایات کے محفوظ نہ رہنے کے سبب سے یہ خرابی اور غلطی واقع ہو گئی ہے۔ لفظ پیری کلوتس کے معنے شاندار تعریف کیا گیا اور مشہور کے ہیں اور یہ معنے الفاظ محمد اور احمد کے معنوں کے ساتھ بہت ملتے ہیں۔ اس بات کے جواب میں عیسائی لوگ انجیلوں کا اصلی ہونا بیان کیا کرتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ دعوی بالکل بے بنیاد ہے۔ انجیلوں کو اصلی اور صحیح بیان کرنا اور زبانی روایات یا قلمی نسخوں میں ایسی تبدیلی کا واقعہ ہونا ناممکن کہنا یہ ایسی باتیں ہیں کہ موجودہ زمانہ کی تحقیقات کے مقابلہ میں بہت ہی بیہودہ اور احمقانہ معلوم ہوتی ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ محققین کی تحقیقات ہی نے تمام انجیل کی منزل کو گرا کر مسمار کر دیا ہو بلکہ خود عیسائی بھی تسلیم کرنے لگ پڑے ہیں کہ ان کتابوں کا اکثر حصہ محض اختراع نہیں تو کم از کم انسانی ہاتھوں سے بہت کچھ اس میں ڈالا گیا ہے۔ ولائیت میں جدید انجیلوں میں سے بہت سے حصے جعلی سمجھ کر نکالدیئے گئے ہیں چنانچہ جدید انگریزی بائیبلیں جو طبع ہوئی ہیں ان میں مرقس باب ۱۶ آیت ۹ سے ۲۰ تک کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے کہ "پرانے دو یونانی قلمی نسخوں میں اور دیگر مستند کتابوں میں آیت ۹ سے لیکر اخیر باب تک کہیں نظر نہیں آتا۔ اور بعض دیگر نسخوں میں آخری الفاظ کچھ اور طرح سے ہیں" یورپ کے اندر جدید ترجمہ کرنے والوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ تثلیث والی آیت بھی کسی انسانی ہاتھ نے پیچھے سے خدا کے کلام میں گھسیڑ دی ہے۔ خود عیسائیوں کے ان اقوال کو سن کر کوئی محقق اسکے علاوہ اور کیا کہے گا کہ یہ سارا تودہ مشکوک اور ناقابل اعتماد ہے اور کوئی خاص شہادت اسکے الہامی ہونے کے لئے پیش کرنی چاہئے پس یہ ایک احمقانہ حرکت ہو گی کہ اس ناقابل اعتبار اور مشکوک تودہ کتب کی بابت یہ کہا جائے کہ اس کے الفاظ محفوظ ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی واقعہ نہیں ہوئی +

تاہم یہ مباحثہ کوئی مفید نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔ اس بات میں جھگڑنے سے کیا فائدہ کہ یونانی نسخوں میں کونسا لفظ تھا۔ اگر ہمیں پیشگوئی کی زبان پر بحث کرنی ہو تو اصل کی طرف رجوع کرنا چاہئے یونانی میں پیری کلوتس تھا یا پاراکلیتس تھا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ہم کوئی سا نسخہ مان لیں پھر بھی یہ شبہ باقی رہیگا کہ خود یسوع کی زبان سے کونسا لفظ نکلا تھا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ یسوع گلیل کے ناخواندہ ماہی گیروں اور دیگر عوام کے ساتھ جو کہ جاہل تھے کسی علمی زبان میں گفتگو نہیں کرتا تھا یسوع خود یونانی جانتا

ہو یا نہ جانتا ہو۔ اس بات میں بحث کرنا کچھ ضروری نہیں بلکہ ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس ملک کے عام لوگوں کی زبان یہودی تھی یا عبرانی۔ سو اس امر میں کچھ شبہ نہیں (اور اس بات پر جھگڑنا کسی بیوقوف کا کام ہوگا) کہ عبرانیوں کی مذہبی زبان ہرگز یونانی نہ تھی۔ اور مریم کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ اس نے بڑی پابندی کے ساتھ ایک مذہبی دایرہ کے اندر یعنی ہیکل کی چار دیواری میں کاہنوں کے زیر حفاظت پرورش پائی تھی پس اس نے حتی الوسع اپنے بیٹے کو اپنے مذہب کی پابندی کے مطابق پرورش کیا ہوگا کیونکہ اس نے خود کبھی کوئی لفظ لسانِ قدس کے سوائے نہ سنا اور نہ بولا تھا۔ پس یسوع کی پرورش ایک یہودی خاندان میں یعنی بال بچوں یعنے اپنے بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ ایک یہودی عورت کے زیر سایہ ہوئی تھی جب وہ پڑھنے لکھنے کے قابل ہوا تو وہ ایک یہودی استاد کے پاس بٹھایا گیا تھا جس نے توریت اور دیگر عبرانی صحائف اسے پڑھائے اور وہ اس یہودی استاد کے ساتھ رہا یہانتک کہ ایک ایسا امر واقعہ ہوا کہ استاد شاگرد کے درمیان ہمیشہ کے لئے جدائی واقعہ ہوگئی۔ اور وہ امر یہ تھا کہ یسوع نے ایک عورت کی خوبصورتی کی تعریف اپنے استاد کے سامنے اس طور پر کی جس سے اُستاد بخیال تقوے ناراض ہوا (دیکھو سوانح یسوع معروضہ یہودیاں۔ وانجیل طفولیت) یسوع کا مرشد جس کے ہاتھ پر اس نے بیعت توبہ کی ایک عبرانی نبی تھا۔ اور یسوع عبرانیوں کی صحبت اور مجلس میں رہتا اور اپنی تقریروں میں عبرانی صحائف کے حوالے دیتا اور ان کے مضامین کو اپنے پُر زور الفاظ میں بیان کیا کرتا تھا اور اصل یہودیوں کی قدیم تصانیف سے اس قدر فقرات اور عبارتیں یسوع نقل کرتا ہے۔ کہ اس کے تمام عمدہ امثال اور اقوال سب یہودی کتب سے لئے گئے ہیں اور اسی وجہ سے یہودی فاضل اس کو سرقہ کا الزام دیتے ہیں جس کا جواب عیسائی اقوام آج تک نہیں دے سکیں۔ اس نے چند ماہی گیروں کو اپنے گرد جمع کیا اور وہ بھی سب کے سب عبرانی قوم میں سے تھے اور اس کے مشن کا مقصد بھی صرف اتنا ہی تھا کہ عبرانیوں کی اصلاح کرے۔ ان سب باتوں پر ایک اور بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو وہ اپنا وعظ سناتا تھا وہ سب کے سب عبرانی تھے اور یونانی زبان کا ایک لفظ بھی نہ جانتے تھے۔ ان سب واقعات کے ہوتے ہوئے یہ ماننا کہ یسوع کی کتابیں یونانی میں تھیں ایک بیہودہ وہم ہے۔ علاوہ ازیں وہ فقرہ ابتک محفوظ ہے جو اس نے ایسی تکلیف کے وقت میں بولا تھا جب اس نے سمجھا کہ موت کا پیالہ (جس کے ٹلنے کے لئے وہ رات بھر دعائیں مانگتا رہا تھا) قریب آگیا ہے۔ اگر یہ فقرہ جو اس نے ایسے وقت میں بولا جبکہ وہ تمام دنیا سے بیخبر ہو رہا تھا یونانی زبان میں ہوتا تو عیسائیوں کے ہاتھ میں کچھ آجاتا لیکن اس عبرانی فقرہ یعنی ایلی ایلی لما سبقتانی نے اس یونانی

زبان کی تھیوری کے تارو پود کو ادھیڑ دیا ہے یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص موت کا منہ دیکھ کر اپنی معمولی روزمرہ بولی کے سوائے کسی اور زبان میں کوئی فقرہ منہ سے نکالے۔

پس ہمیں یہ تلاش کرنا چاہئے کہ عبرانی زبان میں کونسا ایسا لفظ ہے جس کا ترجمہ یونانی زبان میں پیرا کلیت کیا گیا تھا اب اس جگہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عبرانی اور عربی نہایت ہی قریب ملتی جلتی زبانیں ہیں ان میں سے عبرانی مدت مدید سے ایک مردہ زبان ہے اور اس کے قائمقام عربی زبان ہی موجود ہے جو ابتک زندہ ہے پس ہر ایک مشکوک امر کے فیصلہ کے واسطے ضروری ہوتا ہے کہ ہم عربی زبان کی طرف رجوع کریں در اصل علم لسان کے فاضلوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ شامی زبانوں میں سے صرف عربی ہی ایک ایسی زبان ہے جو دوسری زبانوں کے مشکوک الفاظ کی تحقیقات پر روشنی ڈال سکتی ہے۔ علاوہ ازیں صرف عربی زبان کو ہی یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں تمام اسماء بامعانی ہوتے ہیں اور ہر ایک اسم اپنے معنوں کے ذریعہ سے یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ فلاں چیز کا یہ نام کیوں رکھا گیا تھا سو یونانی لفظ پیرا کلیت کے مطابق عربی زبان میں لفظ فارقلیط ہے اور دونوں الفاظ کی مطابقت شکلی سے ثابت ہوتا ہے کہ یونانی زبان نے یہ لفظ عربی زبان سے لیا ہے کیونکہ اس امر میں کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اصل زبان جسمیں یہ لفظ پہلے بولا گیا۔ شامی تھی عربی زبان کا لفظ ایک ایسی وجہ تسمیہ اپنے اندر رکھتا ہے جو کہ اسکی اصلیت اور یونانی لفظ کے اس سے نکلا ہوا ہونے کے لئے کافی دلیل ہے۔ یہ لفظ دو حصوں سے مرکب ہے **فارق** اور لیط۔ فارق کے معنے بھگانے والا اور لیط کے معنے شیطان یا جھوٹ۔ پس فارقلیط کے معنے ہوئے "کذب یا شیطان کو بھگانے والا" عبرانی زبان میں بھی یہی دو مفرد الفاظ موجود ہیں اور انہیں معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ خود پیش گوئی کے الفاظ بھی ان معنوں کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ یسوع نے یہ کہہ کر لفظ فارقلیط کے معنے بتلا دیئے ہیں کہ وہ **روح حق** ہے کیونکہ روح حق ہی جھوٹ کو بھگا سکتا ہے۔ پس خود پیش گوئی نے فارقلیط کو روح حق کا مرادف بتا کر اس لفظ کے معنے کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ غیر ضروری باتوں کو چھوڑ کر اب ہم دو امور کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اول یہ کہ آیا لفظ فارقلیط کے لئے کوئی خاص الفاظ بیان کئے گئے ہیں یا نہیں اور آیا کوئی ایسا شخص کبھی دنیا میں ہوا ہے جو ان معانی کے مطابق اپنے تئیں ثابت کر چکا ہو۔ دوم نہایت ضروری اس بات کا دیکھنا ہے کہ آیا فارقلیط کے لئے کوئی خاص کام دنیا میں کرنے کیلئے ہے اور آیا کبھی کوئی مدعی دنیا میں ایسا پیدا ہوا ہے جس نے وہ کام کرنے کا دعویٰ کیا ہو جو فارقلیط کا کام بیان کیا گیا تھا

اسرائیل کے متعلق ہم انجیل یوحنا کے پُر زور الفاظ کو دیکھتے ہیں جہاں بار بار فارقلیط کے معنے روح حق کے کئے گئے ہیں۔ یہ ایک صاف بیان ہے جس سے فارقلیط پہچانا جا سکتا ہے اگر روح حق کے الفاظ کو یسوع ضروری نہ سمجھتا تو فارقلیط کے ساتھ وہ بار بار ان الفاظ کو نہ دُھراتا اور روح حق سے مراد روح القدس تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ بائیبل میں کہیں روح القدس کو روح حق نہیں کہا گیا۔ ہاں ایک مدعی یسوع سے ۶۰۰ سال بعد دنیا میں پیدا ہوا تھا۔ جسے کلام الٰہی نے نہ صرف فارقلیط ہی کہا بلکہ اس کا نام روح حق بھی رکھا جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ٥ (سورہ بنی اسرائیل) انہیں کہہ دو کہ وہ روح حق (جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا) آ گیا ہے اور جھوٹ بھاگ گیا ہے کیونکہ جھوٹ دراصل بھاگنے والا ہی تھا اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روح حق ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور آل تعریف کا جو لفظ حق کے پہلے لگایا گیا ہے وہ اس وعدے کی طرف توجہ دلاتا ہے جو خدا نے یسوع مسیح کے ذریعہ سے دنیا کو دیا تھا + اس آیت کا دوسرا حصّہ ناظرین کی توجہ لفظ فارقلیط کی طرف پھیرتا ہے کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے فارقلیط اس کو کہتے ہیں جو باطل کو بھگاوے اور اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ روح حق (یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم) نے آ کر باطل کو بھگا دیا اس سے ظاہر ہے کہ وہ شخص جس کے متعلق پیش گوئی کی گئی تھی کہ وہ باطل کو بھگا دے گا وہ نبی کریم محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہی تھے کیونکہ آنحضرت کے سوائے اور کسی کو روح حق نہیں کہا گیا۔ اور آنحضرت کی تشریف آوری ہی سے باطل معدوم ہوا تھا۔ الغرض وہ نبی عربی ہی تھا جس کو روح حق کہا گیا ہے اور جس نے باطل کو بھگا دیا +

قرآن شریف کی اس شہادت کے سامنے عیسائیوں کا یہ کہنا کہ نبی کریم ایک انسان تھے اور روح نہ تھے ایک بیہودہ اعتراض ہے۔ ایسا کہنا جہالت کی بات ہے کیونکہ خود بائیبل میں یہ لفظ قریباً بیس مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ ایک عبرانی لفظ رُوْاح کا ترجمہ ہے جسے عربی میں روح کہتے ہیں اور عبرانی اور عربی ہر دو زبانوں میں یہ لفظ بہت سے مختلف معانی رکھتا ہے یہ لفظ اکثر بائیبل میں انسان کے روحانی حصّہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسا متی باب ۲۶/۴۱ میں لکھا ہے کہ روح تو چاہتا ہے پر جسم کمزور ہے۔ پھر روح کا لفظ اس کلام الٰہی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو کہ اسکے پاک بندوں پر نازل ہوتا ہے اور ان معنوں میں یہ لفظ بائیبل اور قرآن شریف میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ پھر روح کا لفظ پاک مقدس اور روحانی انسان کے معنے میں بھی بولا گیا ہے جیسا کہ یوحنا باب ۳/۶ میں آیا ہے وہ جو روح سے پیدا ہوتا ہے وہی روح ہے

علاوہ ازیں خود روح القدس جس کو عیسائی مصنف ایپی فینی میں لکھتا ہے کہ اس کے سوائے روح کا لفظ اور کسی کے لئے استعمال نہیں ہوتا کیونکہ وہ بے جسم ہے اور ظاہر نظر نہیں آتا وہ روح القدس ایک دفعہ کبوتری کی جسمانی شکل میں نمودار ہوا تھا (لوقا ۳/۲۲) اور پھر آگ کی مانند پھٹی ہوئی زبانوں میں ظاہر ہوا اعمال ۲/۳ پس ہم نہیں سمجھ سکتے کہ نبوت کی زبان میں جو اکثر پر از استعارات ہوتی ہے روح کا لفظ انبیاء کے واسطے کیوں نہیں بولا جاسکتا لیکن اب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر روح جسمانی شکل میں ظاہر نہیں ہوسکتا تو تثلیث کا اقنوم ثانی باوجود روح ہونے کے یسوع کی جسمانی شکل میں کیونکر ظاہر ہو گیا۔ کیا یسوع اس ناقابل دید اور غیر جسمانی روح سے نہیں تھا۔ جس سے کہ روح القدس ہے۔ اگر خدا انسان کی شکل پر ظاہر ہوسکتا ہے تو روح انسان کی شکل میں کیوں ظاہر نہیں ہوسکتا کیا فارقلیط کی آمد کی پیش گوئی صرف ہوائی طور پر پوری ہونی تھی کیا ہمیشہ سے خدا کی یہ سنت نہیں کہ اس کا کلام اور تعلیم انسانوں پر کسی انسان کے ذریعے وارد ہوتی ہے پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جو نیک کام انسان کرتا ہے وہ روح کی طرف منسوب کیا جاتا ہے نہ کہ جسم کی طرف۔ یہی سبب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں روح حق کہا گیا ہے۔ یہ اعتراض بالکل لغو ہے کہ دنیا فارقلیط کو نہیں دیکھتی اور نہ اسے جانتی ہے اس واسطے فارقلیط آدمی نہیں ہے۔ کیا یہ انجیل میں نہیں آتا کہ "وے نہیں دیکھتے" متی ۱۳/۱۳ اور "وے دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے" لوقا ۸/۱۰ بلکہ یہ الفاظ اور بھی اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ روح حق سے مراد نبی کریم ہی ہیں کیونکہ قرآن شریف میں آتا ہے کہ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ وہ تیری طرف دیکھتے ہیں پر وہ تجھے نہیں دیکھتے پس قرآن شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ بائیبل کے فارقلیط سے بالکل متفق ہے +

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ موعود فارقلیط کی بابت لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ رہیگا۔ لیکن یسوع کے متعلق یہ الفاظ نہیں بولے گئے کہ وہ ہمیشہ تک رہیگا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فارقلیط یسوع سے بڑھ کر ممتاز ہے اگر یہ کہا جائے کہ روح القدس اقنوم ثالث ہونیکے سبب دائمی بقا رکھتی ہے اسواسطے وہی فارقلیط ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عیسائی مذہب کے عقاید کے مطابق یسوع اقنوم ثانی ہونے کی وجہ سے دائمی بقا نہیں رکھتا لیکن پیش گوئی کے الفاظ صاف بتلاتے ہیں کہ دائمی بقا فارقلیط کو دی گئی ہے اور یسوع کو نہیں دی گئی۔ کیونکہ یسوع خود کہتا ہے کہ "وہ تمہارے پاس ایک اور فارقلیط بھیجے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا" جس سے یسوع کا یہ منشاء ظاہر ہے کہ اُس کے لئے ایک ایسی بقا ہوگی جو میرے لئے مقدر نہیں۔ اور اگر عیسائی صاحبان اس جگہ یہ کہیں کہ اگرچہ یسوع زندہ ہے تاہم وہ اپنے مریدوں کے ساتھ نہیں رہتا اور روح قدس انکے ساتھ رہتی ہے تو ان کا یہ

کہنا غلط ہوگا کیونکہ یسوع نے خود ایک جگہ کہا ہے کہ اگر کوئی مجھ سے پیار کرے تو وہ میری باتوں پر قایم ہو اور میرا باپ اسے پیار کریگا اور ہم اسکے پاس آئینگے اور اس کے ساتھ رہیں گے۔" اس سے ظاہر ہے کہ یسوع بھی ان لوگوں کے ساتھ رہتا تھا جو اس کے کلام کی پیروی کرتے تھے مگر وہ ہمیشہ تک نہ رہ سکا اور اس لئے دنیا میں موعود فارقلیط کی ضرورت ہوئی جو یسوع کی موت ثانی کے بعد ہمیشہ تک رہے۔ اگر ہم انجیل کے سارے حوالے دیں تو ان بظاہر مخالف بیانوں کو پڑھ کر ناظرین گھبرا جائیں گے کیونکہ اگر روح القدس کو ہی فارقلیط مانا جائے تو ان بیانات میں بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یسوع نے جب یہ کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہمیشہ نہیں رہ سکتا پر فارقلیط تمہارے ساتھ ہمیشہ رہیگا تو اس سے اس نے اپنی روحانی موت کی طرف اشارہ کیا تھا نہ کہ جسمانی موت کی طرف۔ یعنی اس نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ ایک وقت آتا ہے جبکہ ان برکات کا سلسلہ ختم ہو جائیگا جو کہ میری تابعداری کے سبب دنیا میں آ رہی ہیں۔ ہر ایک نبی کے ساتھ ایک قوت مقناطیسی دنیا میں نازل ہوتی ہے جو اس کی امت پر ایک نیک اثر ڈالتی ہے اور انہیں اس کی تعلیم کے مطابق سچائی پر قایم رہنے کی قوت عطا کرتی ہے لیکن یہ قوت اس کی موت کے بعد زایل ہونا شروع ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ بالکل معدوم ہو جاتی ہے۔ یسوع کی روحانی موت سے ہمارا یہی منشا ہے کہ وہ وقت گذر گیا ہے جبکہ اس کا اثر دنیا پر جاری تھا اور عیسائیوں کو اس کے اصولوں پر عمل کرنے کی قوت اور توفیق عطا ہوتی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد ...... روح القدس کی برکات انہیں سے مفقود ہو گئیں۔ قوت روحانی سے شفا دینے کی طاقت معجزات اور پیشگوئیاں سب گذشتہ زمانہ کے قصوں کی طرح ہو گئے۔ اسوقت جبکہ سچائی ان میں سے جاتی رہی۔ اور جھوٹ نے ان میں جگہ پکڑی تو ایک اور فارقلیط کی ضرورت دنیا نے محسوس کی۔ یہ فارقلیط نبی کریم محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نمودار ہوا جس کا اثر اور قوت یسوع کے اثر کی طرح ختم نہیں ہو گیا بلکہ ایسے ہی زور کے ساتھ اپنا کام کر رہا ہے جیسا کہ اس کی آمد کے ایام میں کرتا تھا۔ قرآن شریف میں بے شمار ایسی آیات ہیں جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی برکات کی طرف اشارہ کرتی ہیں مثلاً یہی آیت ہے کہ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ ۔ یعنی یہ کتاب جو ہم نے نازل کی ہے یہ ہمیشہ کے لئے برکت دینے والی ہے۔ مبارک کا لفظ جو قرآن شریف کے لئے بولا گیا ہے دائمی برکات کے فیضان کا اظہار کرتا ہے اور یہ لفظ بالخصوص قرآن شریف کے لئے ہی استعمال کیا گیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ اور ہم نے تجھے تمام جہانوں کیلئے یعنی تمام قوموں اور تمام زمانوں کیلئے رحمت کر کے بھیجا ہے اور بہت سی آئتیں

ان معنوں کی قرآن شریف میں موجود ہیں لیکن ہم امید کرتے ہیں کہ اس جگہ یہ دو کافی ہوں گی۔ آنحضرت کے برکات ختم نہیں ہو گئے بلکہ آج کل بھی دنیا پر ایسے ہی جاری ہیں جیسا کہ آنجناب کی زندگی میں تھے آنحضرت ہمیشہ اپنی امت کے ساتھ ہیں۔ مسیح موعود اس احمد کا غلام ہو کر نازل ہوا ہے اور اس بڑے فارقلیط کی حیات کے لئے ایک زندہ شہادت ہے اس نبی کو حیات ابدی عطا کی گئی کیونکہ اس نے ایک کامل دین دنیا کو سکھایا۔ لیکن یسوع کا دین کامل نہ تھا جیسا کہ اس نے خود اقرار کیا تھا "کہ میں نے تمہیں اور بہت سی باتیں ابھی کہنی تھیں پر ابھی تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے"۔ یسوع اور نبی کریم کی روحانی طاقتوں کا مقابلہ اس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ روح القدس ان دونوں پر کس طرح سے نازل ہوا۔ روحانی امور رویا اور کشوف کے درمیان ایک جسمانی شکل اختیار کرتے ہیں اور اس بات کو وہ لوگ بخوبی سمجھ سکتے ہیں جنکو اس کوچہ میں گذر ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ یسوع پر روح القدس ایک کبوتری کی شکل میں نازل ہوا جو کہ ایک ادنے سا پرند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس روح القدس کے نزول کے شیطان جلد اس کو بھگا کر جنگل میں لے گیا جہاں کہ یسوع شیطان کے ساتھ چالیس دن جنگل میں پھرتا رہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ روح القدس کا کیسا کمزور اثر یسوع پر تھا اور کبوتری کی شکل میں نمودار ہونا پہلے ہی سے ظاہر کرتا تھا۔ کہ وہ اثر کیسا ضعیف ہے اسی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اثر آئندہ دیر تک نہیں رہ سکتا تھا اور یسوع کی موت کے بعد جلد معدوم ہو جانے والا تھا۔ اب دوسری طرف یہ دیکھنا چاہئے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر روح القدس کس طرح نازل ہوا۔ نبی کریم پر نازل ہونے کے وقت وہ تمام زمین و آسمان میں بھر گیا اور اس طرح صرف آنحضرت کی روح کی عظمت اور شان و شوکت کا ہی اظہار نہیں کیا بلکہ یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اس روح القدس کا اثر دائمی ہو گا اور کبھی دنیا سے زائل نہ ہو گا۔ پھر اس موعود فارقلیط کے متعلق انجیل یوحنا میں ذکر آیا ہے "کہ وہ خود بخود نہ بولے گا بلکہ جو کچھ وہ سنے گا وہی بولیگا"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ الفاظ روح القدس کی طرف اشارہ نہیں کرتے بلکہ اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو کہ صرف خدا کی وحی سے کلام کرے گا۔ روح القدس خود کچھ نہیں بولا بلکہ اس نے دوسروں کو بلوایا۔ اور نہ روح القدس نے کسی سے کچھ سنا کیونکہ وہ تو بقول عیسائیوں کے خود خدا ہے تو اس سے بڑھ کر کون ہے جس سے سن کر وہ آگے دوسروں کو تعلیم دے۔ بہر حال بولنے والے انسان تھے نہ کہ روح۔ اگر روح نے کسی کو بلوایا تو پھر بھی لوگوں کے سامنے بولنے والا وہ انسان ہوتا ہے جس پر روح نازل ہو۔ صرف ایک ہی

شخص دنیا میں گذرا ہے جو انجیل کے اس فارقلیط کا مصداق ہو سکتا ہے جس کی نسبت کلام الٰہی نے یہ گواہی دی ہے کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (النجم) یعنی وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ یہ خدا کا کلام ہے جو اسپر نازل ہوتا ہے اور وہ وہی کچھ بولتا ہے جو اوپر سے سنتا ہے۔ تمام دوسرے انبیاء کا یہ حال تھا کہ وہ جب روح القدس سے سنتے تو ویسا ہی آگے لوگوں کے سامنے بولتے تھے۔ لیکن معمولی وقتوں میں وے اپنی طرف سے گفتگو کرتے تھے لیکن بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حال تھا کہ روح القدس ہر وقت آپ کے ساتھ رہتی تھی اسواسطے وہ کوئی لفظ ایسا نہ بولتے تھے جو انہوں نے خدا سے نہ سنا ہو۔ حضرت موسے نے بھی آنحضرت کے متعلق پیش گوئی سناتے ہوئے یہ کہا کہ خدا کہتا ہے کہ میں اپنا کلام اس کے مُنہ میں دونگا اور اگرچہ آپ موسے کے مثیل تھے تاہم آپ میں ایک بات ایسی تھی جو موسے میں نہ تھی یعنی آپ کی شریعت دائمی اور سب قوموں کے لئے تھی حالانکہ موسوی شریعت مختص القوم اور مختص الزمان تھی۔ صرف قرآن شریف ہی اس بات کا مدعی ہے کہ اس کا لفظ لفظ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے اور جو کچھ نبی کریم الہام پاتے تھے آگے لوگوں کو سنا دیتے تھے۔ دوسری الہامی کتابیں صرف اس معنے میں الہامی ہیں کہ مصنف کے دل میں وہ مضمون ڈالا گیا تھا لیکن قرآن شریف کا یہ حال نہیں کہ وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ السلام کے دل میں ایک بات کی طرح ڈالا گیا ہو بلکہ جبرائیل فرشتہ آپکے سامنے پڑھتا تھا اور پھر آپ اس کو دُھراتے تھے۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ یعنے جب ہم اسے پڑھیں تو تو بھی اس کے پیچھے پیچھے پڑھ۔ اور کسی کتاب میں ایسی بات نہیں پائی جاتی۔ چونکہ نہ روح القدس اور نہ کسی اور نے کبھی ایسا دعوے کیا ہے کہ میں وہی بولتا ہوں جو خدا سے سنتا ہوں اس سے صاف ظاہر ہے کہ ارض حجاز کے رہنے والے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوائے اور کوئی ایسا دنیا میں نہیں ہوا جس پر فارقلیط کا لفظ صادق آسکے +

اس فارقلیط موعود کے متعلق جس کا ذکر یوحنا کی انجیل میں ہے ہم کافی بیان کر چکے ہیں اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کے مصداق نبی کریم محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ اب ہم اس بات پر بحث کرتے ہیں کہ جو کام فارقلیط کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ کریگا آیا وہ کام روح القدس نے پورا کیا یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پورا کیا۔ اس امر میں پہلی بات یہ ہے کہ اس فارقلیط کا یہ کام تھا کہ وہ یسوع کے متعلق گواہی دے اور اسے ان گندے الزاموں سے بری ثابت کرے جو اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں کیونکہ یوحنا باب ۱۵ میں

لکھا ہے کہ وہ میری تصدیق کریگا۔ شہادت کا دینا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ شہادت دینے والا کوئی انسان ہونا چاہئے نہ کہ ایک ایسا روح جو کسی کو نظر بھی نہ آتا۔ شہادت کا طریق یہ نہیں ہوتا کہ ایک شخص دوسرے کے دل میں کچھ ڈالدے بلکہ شہادت کا طریق یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے طور سے گواہی دے کہ سب لوگ سن سکیں۔ اگر ان واقعات کو صحیح مان لیں جو اعمال حواریین میں درج ہیں تو روح القدس نے صرف اتنا کام کیا کہ دس یا بارہ آدمیوں کے اندر گھس کر ان کو اپنے آپ سے بھردیا اور وہ آدمی اس کے اثر کے ساتھ بعض باتیں بولنے لگے۔ لیکن اس عجوبہ راز پر کسی صورت میں شہادت کا لفظ اطلاق نہیں پاسکتا۔ علاوہ ازیں اگر روح قدس عیسائیوں کے ذریعہ سے بولی ہے تو اور بھی افسوس کا مقام ہے کیونکہ عیسائیوں نے یسوع کی ایک نہائت ہی تاریک تصویر کھینچی ہے اس روح القدس سے بول کر عیسائیوں نے یسوع کو لعنت سے بری تو کیا کرنا تھا۔ وہ خود اس بات کے قائل ہوگئے کہ یسوع ایک لعنتی موت مرا تھا۔ پس انہوں نے یسوع پر لعنتوں کا انبار جمع کرنے میں یہودیوں کو اور بھی مدد دی۔ عیسائیوں نے اس روح القدس سے الہام پاکر یسوع کو اس الزام کے نیچے رکھدیا کہ اس نے خدا کے قادر ہونے کا دعوےٰ کیا تھا اور یہ نہ سمجھا کہ ایسا دعوےٰ ایک انسان کے لئے سب سے بڑھ کر کفر ہے اور یسوع اپنی ساری عمر میں اپنی قوت اور طاقت کا کوئی نمونہ نہ دنیا کو دکھانہ سکا تھا پس اگر روح القدس کی شہادت تسلیم کرلیں تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ روح القدس نے یسوع کو الزاموں سے بری ٹھہرانے کی بجائے الٹا اس کو سخت مجرم اور ملزم قرار دیا۔ دنیا میں صرف ایک ہی شخص گذرا ہے جس نے یسوع کے ان الفاظ کو پورا کیا۔ اسی نے خدا کا یہ پر شوکت اور زبردست کلام دنیا کو بلند آواز سے سنایا کہ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۵ یعنے اے عیسےٰ میں تجھے ان تمام عیبوں سے بری کرونگا جو کفار یعنے یہود اور عیسائی تجھ پر لگاتے ہیں سو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یسوع کو ان تمام عیبوں سے بری کرنے کے لئے صرف دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ کروڑوں انسانوں کو یہ بات منوادی کہ عیسےٰ خدا کا ایک صادق بندہ تھا اور ان تمام جھوٹے الزاموں سے بری تھا جو عیسائی اور یہودی اس پر لگاتے ہیں۔ وہ تمام الزام جو حضرت عیسےٰ پر اسکے بے سمجھ پیرووں نے افراط محبت کے سبب لگائے تھے یا اس کے دشمنوں نے بسبب بغض کے لگائے تھے سب کو آنحضرت نے دور کردیا پس صرف نبی کریم ہی ایک ایسا شخص دنیا میں گذرا ہے جس نے حضرت عیسےٰ کی تطہیر کی اور اسواسطے حضرت عیسےٰ نے آپکے متعلق پہلے سے کہا تھا کہ فارقلیط میری تصدیق کرے گا" اور یہ آنحضرت کے فارقلیط ہونے کے لئے ایک ایسی دلیل ہے جس کا کوئی جواب عیسائی لوگ دے نہیں سکتے فارقلیط کے متعلق سب سے زیادہ ضروری الفاظ وہ ہیں جو یوحنا باب ۱۶۔ آئیت

۱۲ او ۱۳ ایس آئے ہیں جہاں یسوع کہتا ہے میں نے تمہیں بہت کچھ کہنا تھا پر تم ان سب باتوں کی برداشت نہیں کر سکتے تاہم جب روح حق آوے گا تو وہ تمہیں تمام صداقتوں کی طرف راہ نمائی کرے گا۔ اور آیندہ آنے والی باتیں تمہیں بتلائیگا۔" اگرچہ ہم اس بات کے ثبوت میں کہ نبی مکہ ہی اس پیش گوئی کے مصداق تھے اوپر بہت دلائل بیان کر چکے ہیں تاہم صرف یہ ایک دلیل ہی سارے امور کے فیصلہ کے واسطے کافی ہے انجیل کی اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی ایسی صداقتیں ہیں جو یسوع نے اپنے مریدوں کو نہ سکھائیں یا دہ سکھا سکتا ہی نہ تھا اور اس نے کہا کہ یہ فارقلیط کا کام ہے کہ وہ آکر تمہیں وہ صداقتیں سکھائے جو میں نہیں سکھا سکتا۔ اور آئندہ کی تمہیں خبریں دے یعنی قیامت اور یوم جزا سزا کی باتیں تم کو بتلائے۔ پھر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ عیسائی عقائد کے مطابق یسوع نے جو کچھ تعلیم دی وہ سب ان انجیلوں میں موجود ہے اور اسکے باہر کوئی فقرہ نہیں۔ ہم اس جگہ اس بات کو نہیں چھیڑتے کہ انجیلوں کے بیان میں باہم کس قدر اختلاف ہے۔ لیکن ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ایسی کتاب بتلاؤ جس میں وہ صداقتیں درج ہوں جو یسوع نہیں سکھا سکتا تھا اور دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو باتیں یسوع کے حواری اپنے استاد کی زندگی میں سننے کی برداشت نہ رکھتے تھے ان کے سننے کے لئے چند دنوں بعد انہیں کیونکر قوت حاصل ہو گئی۔ پھر عیسائیوں کا فرض ہے کہ یہ بھی بتلائیں کہ وہ صداقتیں جو روح القدس نے حواریوں کو سکھائیں کہاں ہیں کیونکہ اعمال حواریین سے تو صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ اس پوشیدہ روح القدس نے جسکو ہم مذہبی صداقتوں کا معلم کہنے کی بجائے چند ٹوٹی پھوٹی مشرقی زبانوں کا مدرس کہہ سکتے ہیں اس سے بڑھکر کچھ کام نہیں کیا کہ اس کی مدد سے حواری غیر بولیاں بولنے لگے * کیا صداقتوں کی طرف یہی رہنمائی تھی کہ حواریوں سے چند مہمل الفاظ بلوا کر پرواز کر جائے۔

یہ دیکھ کر بہت دلچسپی پیدا ہوتی ہے کہ کس طرح تثلیث کے تین فردوں نے یکے بعد دیگرے انسانی اصلاح کی ذمہ داری کا کام ایک دوسرے کے سپرد کیا۔ سب سے اول تو باپ تھا جو اگرچہ دراصل سب سے بڑا نہ تھا لیکن برائے نام اسے باپ ہونیکی بڑائی حاصل تھی اسواسطے اس نے کوشش کی کہ انسان کی اصلاح کرے اور اسے اصلی حالت میں واپس لاوے۔ غالباً اس سے مراد وحشیانہ حالت ہوگی کیونکہ انسانی ترقی ادنی سے اعلی کی طرف تدریجاً ہوتی تھی لیکن اسکے ہاتھ انصاف کی ہتکڑی سے ایسے بندھے ہوئے تھے کہ وہ بیچارا کچھ کر کرا نہ سکا۔ اسکی پدرانہ عزت کی طرف خیال کر کے اور باپ کو ایسی بیکسی کی حالت میں رحم سے بھرا ہوا دیکھ کر بیٹے نے کہا کہ چلو میں ہی اپنے تئیں قربان کر دیتا ہوں مگر وہ بھی دنیا میں آکر ایک خالی تشفی دیکر چلتا بنا کہ تثلیث کا اقنوم ثالث یعنے خدائی کا تیسرا فرد جب آئیگا تو وہ تمہیں صداقتیں سکھائیگا

اور سچائیوں کی طرف راہ نمائی کریگا۔ خدا کے کا تیسرا فرد جب آیا تو وہ خود بیچارہ ایک کبوتر تھا کرتا تو کیا کرتا صداقتوں کی تعلیم کا کام تو اس سے ہو ہی نہ سکتا تھا اس نے سمجھا کہ چلو اتنا ہی کام کافی ہے کہ چند حواریوں کو کچھ ٹوٹی پھوٹی زبانیں سکھلا دیں سو وہ بھی اپنا کام کر کے چلتے بنے ❊

سو جب عیسائیوں کے پاس ہی کوئی ایسی کتاب نہیں ملتی جس میں اعلیٰ صداقتیں سکھائی گئی ہوں جو انجیلوں میں نہ پائی جاتی ہوں تو ہمیں قدرتاً ان صداقتوں کی تلاش میں اور جگہ جانا پڑتا ہے۔ تو اس تلاش میں ہمیں وہ کامل کتاب ملتی ہے جو تمام مذہبی صداقتوں کو سکھاتی ہے اور زندگی بعد الموت اور قیامت کے حالات پر روشنی ڈالتی ہے یہ کتاب تمام دنیا کے آگے اپنا دعویٰ ان الفاظ میں بیان کرتی ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ ❊ آج میں نے تمہارے لئے اپنے مذہب کو کامل کر دیا ہے۔ اور تم پر اپنی تمام برکتیں پوری کر دی ہیں۔ یہ کتاب اپنے آپ کو پوشیدہ نہیں رکھتی بلکہ تمام دنیا کو چیلنج کرتی ہے کہ ظاہر نشانات کے ساتھ اس کے دعویٰ کو آزمائیں۔ یہ کتاب دو طور پر اپنے کمال کا ثبوت دیتی ہے۔ اول یہ کہ تمام مذہبی صداقتیں بوجہ دلائل اس میں موجود ہیں اور سچے اصولوں کی اس میں تائید ہے اور غلط اعتقادات کا رد ہے اور تمام باطل مذاہب کو اس کتاب میں بدلائل جھوٹا ثابت کیا گیا ہے خواہ وہ باطل مذاہب اس وقت دنیا میں موجود تھے اور خواہ وہ بعد میں پیدا ہوئے ہوں اس خوبی میں یہ کتاب تمام کتب پر جو الہامی ہونے کا دعویٰ رکھتی ہیں افضل ہے اور صاف لفظوں میں یہ کتاب دعویٰ کرتی ہے کہ اگر یہ ساری دنیا مل کر کوشش کرے تب بھی اس کتاب کی نظیر پیدا نہ کر سکے گی۔ دوسری فضیلت اس کتاب میں یہ ہے کہ اسکے تمام اصول زندہ اور زندگی بخش ہیں۔ بالفاظ دیگر اس کتاب کا ماننے والا تمام دوسری کتابوں کے ماننے والوں پر ایک فضیلت رکھتا ہے کہ اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور امور غیبیہ اس پر کھولے جاتے ہیں یہ دونوں زندہ ثبوت ہر زمانہ میں آزمائے جا سکتے ہیں ❊

الغرض عیسائیوں کا فرض ہے کہ وہ دنیا کو وہ آسمانی کتاب دکھائیں جو یسوع کے بعد دنیا میں نازل ہوئی ہو اور اس میں وہ صداقتیں شامل ہوں جو یسوع کے بیان کے مطابق انجیل میں نہیں پائی جاتیں اور یہ بھی انہیں کا فرض ہے کہ وہ دکھائیں کہ کن صداقتوں کو یسوع بیان نہ کر سکا تھا جو اس کے بعد دنیا پر ظاہر ہوئیں جب عیسائی صاحبان یہ باتیں دکھا چکیں گے تو پھر انہیں یہ ثابت کرنا پڑیگا کہ مسیح کے بعد ان صداقتوں کا لانیوالا درحقیقت یسوع سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس پر ایسی کامل کتاب نازل ہوئی جو یسوع پر نہیں ہوئی تھی۔

اور اس نے دنیا کو ایسی کامل صداقتیں سکھلائیں جن کے سکھلانے سے یسوع عاجز تھا۔ اس وجہ سے بھی اسے یسوع پر فضیلت حاصل ہے کہ وہ ہمیشہ رہے گا کیونکہ جس کے برکات دائمی ہیں وہ ایسے شخص پر فضیلت رکھتا ہے جس کے برکات صرف اس کی موت کے وقت تک محدود ہوں۔ اس امر میں وہ اپنی کوششوں کو جلد بے ثمر رہتے ہوئے دیکھ لیں گے کیونکہ اس آسمان کے نیچے اور اس روئے زمین پر صرف ایک ہی کتاب ہے جسے کامل ہونے کا دعویٰ ہے اور جس میں وہ تمام صداقتیں کامل طور پر پائی جاتی ہیں جو کہ پہلی کتابوں میں نہ تھیں اور نہ ہو سکتی تھیں اور دنیا میں اللہ تعالےٰ کا ایک ہی پاک رسول گذرا ہے جس میں وہ تمام خوبیاں کامل طور پر پائی جاتی ہیں جو تمام گذشتہ انبیا میں جزوی طور پر پائی جاتی تھیں۔ سچ یہی ہے کہ نہ یسوع اور نہ کوئی اور پہلا نبی اعلےٰ صداقتوں کو سکھا سکتا تھا کیونکہ جیسا کہ یسوع نے خود فرمایا وہ لوگ ان باتوں کی برداشت نہ کر سکتے تھے یا با الفاظ دیگر قوتے انسانی ہنوز اس درجہ کی ترقی پر نہ پہنچے تھے کہ ان سچائیوں کو اخذ کر سکتے۔ جیسا کہ انسان کی جسمانی حالت نے رفتہ رفتہ ادنیٰ سے اعلےٰ کی طرف ترقی کی ہے ایسا ہی انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی بھی بتدریج ہوئی ہے۔ یہی سبب ہے جو مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق یہ کہا گیا تھا کہ اس کے زمانہ میں بچے اور بوڑھے مرد اور عورتیں سب خوابیں دیکھیں گے کیونکہ وہ آخری زمانہ ہوگا اور اس کے زمانہ میں انسانی قویٰ اپنے نہایت ہی کمال کو پہنچ جائیں گے اور اس وقت روحانی ترقی نہایت ہی اعلےٰ درجہ کی ہوگی۔ الغرض چونکہ یسوع کے زمانہ میں لوگ اس قابل نہ تھے کہ اعلیٰ درجہ کی مذہبی صداقتوں کو سمجھ سکیں اس واسطے وعدہ دیا گیا تھا کہ وہ اعلےٰ صداقتیں آخری زمانہ میں موعود فارقلیط کے ذریعہ سے دنیا پر نازل ہونگی جبکہ انسانی قوے ان کی برداشت کے قابل ہو جائیں گے۔

پس ہم نے یسوع کے الفاظ کی نہایت صفائی کے ساتھ ایک سہل تفسیر کر دی ہے جو ہر حالت میں صحیح بیٹھتی ہے۔ لیکن اگر یسوع کے الفاظ ہمارے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں پورے نہیں ہوئے تو عیسائیوں کو بڑی شرم کرنی چاہئے کہ ان کے خداوند کی پیشگوئی جھوٹی ہی نکلی۔ پھر یہ کہا جائیگا کہ یسوع نے صرف اپنی ناقابلیت کو چھپانے کے واسطے ایک پیشگوئی کر دی جو کہ کبھی پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ صرف یہی نہیں کہ یسوع نے اپنی تعلیم کے کامل ہونے کا دعوی نہ کیا ہو بلکہ اس نے اپنی تعلیم کی کمزوری کا بھی اقرار کیا اور ان سب باتوں کی تکمیل کی غرت ایک آخری کتاب کو دی جو فارقلیط موعود پر نازل ہونی تھی۔ اگر تعصب کا کہنا اور تاریک پردہ عیسائیوں کے دل پر نہ ہوتا تو وہ آسانی سے اسبات کو قبول کر لیتے کہ موعود کامل کتاب

قرآن شریف ہی ہے اور کسی دوسری کتاب کو اس کے مقابل کمال کا دعویٰ بھی نہیں ہوا۔ وہ موعود فارقلیط نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جن کا نور کوہ فاران سے چمکا تھا +

پس یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ یسوع نے جو صفات فارقلیط کے بیان کئے تھے وہ سب کے سب قرآن شریف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت کر کے دکھلا دیئے ہیں اور آنحضرت کے علاوہ کسی اور انسان نے کبھی ان صفات سے متصف ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ عیسائی لوگ روحوں کے بہت مشتاق ہیں مگر کسی روح میں بھی کبھی یہ صفات نہیں پائے گئے۔ سب سے اول تو خود قوت دعوے انسان کے دل کو کشش کرتی ہے جبتک خود مدعی کے پاس سچائی کی قوت اور اپنے دعویٰ کے متعلق پوری تشفی بلکہ یقین نہ ہو کہ کوئی شخص میرے دعوے کو غلط ثابت نہیں کر سکتا تب تک وہ کبھی دنیا کے سامنے اپنی صداقت کے بیانات کو آزمایش میں ڈالنے کے لئے پیش نہیں کر سکتا + پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ نہ ان صفات کا مدعی کبھی کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ کسی نے کبھی یہ دعوے کیا ہے کہ مجھ میں فارقلیط کے صفات پائے جاتے ہیں +

خلاصۂ کلام یسوع نے یا کم از کم انجیل یوحنا نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ایک اور فارقلیط دنیا میں آئے گا اور وہ روح حق ہوگا۔ قرآن شریف کہتا ہے کہ وہ روح حق نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور یہی فارقلیط تھے کیونکہ انہوں نے باطل کو بھگا دیا چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ٥ یعنے روح حق آگیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ باطل بھاگ گیا ہے کیونکہ ضرور تھا کہ اس کی آمد پر باطل بھاگ جائے۔ پھر یسوع نے کہا ہے کہ فارقلیط ہمیشہ تک رہیگا ایسا ہی قرآن شریف میں لکھا کہ یہ نبی ہمیشہ زندہ رہیگا اور اس کی روحانی برکات کا کبھی اختتام نہ ہوگا لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ٥ لیکن یہ اللہ کا رسول ہے اور نبیوں کی مہر جو کبھی نہ ٹوٹے گی۔ اور پھر قرآن شریف میں آیا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥ ہم نے تجھے تمام جہانوں یعنی تمام قوموں اور تمام زمانوں کیلئے رحمت مجسم کر کے بھیجا ہے۔ پھر یسوع نے کہا ہے کہ دنیا فارقلیط کو نہیں دیکھتی ایسا ہی قرآن شریف میں نبی کریم کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ينظرون اليك وهم لا يبصرون ٥ کہ وہ تیری طرف نظر کرتے ہیں لیکن وہ تجھے نہیں دیکھتے۔ پھر یسوع نے کہا کہ وہ میری تطہیر کریگا۔ ایسا ہی قرآن شریف یسوع کے متعلق فرماتا ہے۔ کہ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ٥ یعنے میں تجھے کفار کے الزاموں سے بری کر دونگا۔ پھر یسوع نے کہا ہے کہ فارقلیط جب آویگا تو وہ تمہیں راہ حق دکھائیگا۔ ایسا ہی قرآن شریف میں آیا ہے الیوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتی

آج میں نے تمہارا مذہب کامل کر دیا ہے۔ یعنی تمہیں وہ تمام صداقتیں سکھا دی ہیں جو کہ پہلے انبیاء سکھلا نہ سکتے تھے اور میں نے اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔ پھر یسوع نے فارقلیط کی نسبت کہا ہے کہ وہ اپنے آپ سے نہ بولیگا بلکہ جو کچھ سنے گا وہی بولے گا اور قرآن شریف میں نبی کریم کے متعلق فرمایا گیا ہے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ یہ نبی خود بخود نہیں بولتا مگر وہی کچھ بولتا ہے جو اس کو وحی ہو۔ ہم اب ایک دفعہ پھر یہ کہکر اس مضمون کو فی الحال ختم کرتے ہیں کہ فارقلیط کے متعلق جو علامات اور صفات بتلائی گئی تھیں ان کا مدعی آجتک سوائے نبی کریم حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے کبھی کوئی پیدا نہیں ہوا۔

روحوں کا انادی اور غیر مخلوق ہونا

روح اور مادے کے انادی اور غیر مخلوق ہونے کا مسئلہ انسانیت کے واسطے ایک ذلت اور شرم کا موجب ہے اللہ تعالے کے حق میں ایک بڑی گستاخی اور بے ادبی کی بات ہے جو کہا جاتا ہے کہ وہ خالق نہیں ہے بلکہ صرف جوڑنے والا ہی۔ یہ مسئلہ ہندو مذہب کے اس نئے فرقے کی ایجاد ہے جس کا بانی دیانند سرسوتی تھا اور ویدوں کی سند پر اس اعتقاد کو مانا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا اعتقاد ہے جس کے قایم ہونے سے خدائے تعالیٰ کی توحید بلکہ اس کی خدائی ہی دور رہتی ہے۔ اس کے ماننے سے اول تو خدا تعالیٰ کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ جس صورت میں جیو یعنے ارواح خود بخود موجود ہیں اور ایسا ہی اجزا صغار اجسام بھی خود بخود ہیں تو پھر خدا کا کام صرف جوڑ جاڑنے کا رہ جاتا ہے۔ لیکن اس پر پھر یہ اعتراض آتا ہے کہ جبکہ تم نے کل چیزوں کا وجود بغیر ایجاد پرمیشر کے آپ ہی مان لیا تو پھر اس بات پر کیا دلیل ہے کہ ان چیزوں کے باہم جوڑنے جاڑنے کیلئے پرمیشر کی حاجت ہے۔ روح اور مادہ کے خود بخود موجود ہونے کے مسئلہ سے یہ بات ساتھ ہی ماننی پڑتی ہے کہ وہ خود بخود ایک دوسرے کے ساتھ ملتے اور مرکب ہوتے ہیں اور ان دونوں اعتقادات کے ساتھ خدا کے وجود کو صاف جواب دینا پڑتا ہے خدا کی مانند روح اور مادے کی قدامت درحقیقت ایک دہریہ پن ہے اور خدا کی ہستی کی ضرورت کا انکار ہے اگر مادہ خود بخود وجود میں آسکتا ہے تو پھر اس کے جوڑنے جاڑنے کیلئے کیوں کسی کی ضرورت پڑی۔ اگر مادہ اور روح کو جوڑنے جاڑنے کا ادنی اور ناقص کام بغیر خدا کے نہیں ہو سکتا تو مادہ اور روح کو وجود میں لانے کا

اعلےٰ اور عمدہ کام کیونکر خود بخود ہو گیا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ ایسے اعتقاد کے ساتھ ایک قدم آگے بڑھ کر خدائی کا صاف انکار ہے *

علاوہ ازیں روح میں جو صفات پائے جاتے وہ اس کے ذاتی صفات ہیں اور کسی ترکیب کا نتیجہ نہیں مثلاً روح میں ایک قوت رویا و کشف ہے جو کہ روح کو اس وقت غیب کی خبروں کے پوشیدہ راز کو دیکھنے کے قابل کرتی ہے جبکہ وہ نہایت کوششوں اور مجاہدات کے بعد دنیوی ہوا و ہوس سے پاک ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی روح کو ایک قوت عقل عطا کی گئی ہے جس سے وہ عام خیالات کو جمع کرتا اور نتائج نکالتا ہے۔ ایسا ہی قوت محبت ہے جس سے روح خدا کی طرف کھینچا جاتا اور اس کی رضا کا تابع ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں روح میں اور بہت سی قوتیں ہیں اور وہ سب اس کی اندرونی صفات ہیں پس آریوں کے اصول کے مطابق یہ سب صفات خود بخود پیدا ہو گئی ہیں۔ پس سب اعلےٰ اور اہم امور تو خود بخود ہو جاتے ہیں اور ادنےٰ اور نکمے کام مثلاً جوڑنے جاڑنے کے خدا کے سپرد ہیں اور دنیا کے خلق کا کام جس میں عجیب حکمت اور صنعت نظر آتی ہے وہ سب اس اعتقاد کے مطابق خدا کا فعل نہیں ہے بلکہ پرمیشر خود اس میں حیران ہے کیونکہ وہ ان اشیاء کی خلق پر قادر نہیں۔ پس یہ عقیدہ وجود باری پر صاف ہاتھ پھیرتا ہے *

ایسا ہی بہت سے بڑے بڑے نقص اس عقیدہ میں پائے جاتے ہیں اول تو اس عقیدہ کے مطابق خدا تعالےٰ کو قادر مطلق نہیں مان سکتے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وہ کسی شے کو وجود میں نہیں لاسکتا۔ اس کا اپنا کام تو صرف اتنا ہے کہ کچھ جوڑنے جاڑنے کا فرض ادا کر دے ورنہ پیدا کرنے کو تو وہ ذرہ کو بھی وجود میں نہیں لاسکتا۔ اگر فرضی طور پر پرمیشر کا وجود مان بھی لیا جائے تب بھی وہ نہایت ضعیف اور نکما سا وجود ہو گا جس کا عدم وجود مساوی ہو گا۔ یہانتک کہ اگر اس کا مرنا بھی فرض کیا جاتا تو روحوں کا کچھ بھی ہرج نہو گا اسلئے وہ پرمیشر اس لایق نہو گا کہ کوئی روح اس کی بندگی کیلئے مجبور کیجائے کیونکہ ہر ایک روح اسکو جواب دیسکتی ہے کہ جس حالت میں تم نے مجھے پیدا ہی نہیں کیا بلکہ تمہارے برابر اور تمہارے ساتھ قدیم سے خود بخود وجود میں ہوں تو تمہارا کوئی حق نہیں کہ میں تمہاری پرستش کروں۔ ہاں کچھ جوڑنے جاڑنے کا کام تم نے میرے لئے کیا ہے سو اسکے واسطے تمہارا شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور بس ایسی صورت میں روح پرمیشر کو اپنا آقا اور خالق کیونکر مان سکتی ہے *

ایک اور اعتراض اس بیہودہ عقیدہ پر یہ آتا ہے کہ جبکہ پرمیشر روحوں کا خالق نہیں تو انپر محیط بھی نہیں ہو سکتا اور جب احاطہ نہو سکا تو پرمیشر اور روحوں میں حجاب ہو گیا اور جب حجاب ہوا تو پرمیشر سرب گیانی

نہو سکا یعنے علم غیب پر قادر نہوا اور جب قادر نہ رہا تو اس کی سب خدائی درہم برہم ہوگئی تو گویا پرمیشر ہی ہاتھ سے گیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ علم کامل کسی شے کا اسکے بنانے پر قادر کر دیتا ہے کیونکہ جب علم اپنے کمال تک پہنچ جائے تو وہ عین عمل ہو جاتا ہے اس حالت میں بالطبع سوال ہوتا ہے کہ آیا پرمیشر کو روحوں کی کیفیت اور کنہ کا پورا پورا علم بھی ہے یا نہیں۔ اگر اسکو پورا پورا علم ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایسی ہی روح بنا نہیں سکتا پس اس مذہب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ پرمیشر کو پوری طاقت ہے اور نہ پورا علم ہے *

پھر اس اعتقاد پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس سے خدا کی زندگی خود دوسری اشیاء پر منحصر ثابت ہوتی ہے۔ اگر روح اور مادہ کا وجود نہوتا تو پھر خدا کا بھی وجود نہوتا کیونکہ خدا خود بخود تو کچھ پیدا کر ہی نہیں سکتا اور اگر روح اور مادہ کبھی فنا ہو جائے تو ساتھ ہی پرمیشر کے وجود کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ مادہ اور روح صرف خدا کی طرح قدیم ہی نہیں ہیں بلکہ ان کا وجود خدا کی ہستی کے لئے ضروری ہو گیا ہے۔ یہ اشیاء خدا کے بغیر رہ سکتی ہیں پر خدا ان کے بغیر رہ نہیں سکتا *

سب سے زیادہ خطرناک اعتراض اس عقیدہ پر یہ وارد ہوتا ہے کہ اس عقیدہ کے مطابق ارواح کو کبھی دائمی نجات نہیں ملسکتی بلکہ کچھ عرصہ کے بعد ان کو بہشت سے نکال کر پھر مصائب اور تکالیف میں ڈالدیا جائیگا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ارواح کی ایک محدود تعداد ہے جسپر پرمیشر کچھ کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ اسلئے اگر ان روحوں کو دائمی نجات ملجائے تو رفتہ رفتہ دنیا خالی ہو جائے گی۔ اسواسطے دائمی نجات سے یہ خوف پیدا ہوتا ہے کہ خدا کے جوڑنے جاڑنے کا کارخانہ دائمی طور پر بند ہو جائے گا اسواسطے پرمیشر نے یہ تجویز قرار دی ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد تمام روحوں کو بے گناہ بہشت سے باہر نکالدینا چاہئے اس بیرحمی کے اصول کو فلسفہ کے رنگ میں لانیکے واسطے آریہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ چونکہ انسان کے اعمال محدود ہیں اسواسطے بہشت بھی محدود وقت کیلئے ان کو ملیگا اس دلیل سے تو پرمیشر بجائے ایک رحیم اور پیار کرنے والے خدا کے ایک سنگدل اور بیرحم بنیا ہوا۔ اس صورت میں نجات ایک دوکان کی کوئی شے ہوئی جسے دوکاندار روپیہ لیکر خریدار کو دیدیتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ایک بڑی غلط بیانی ہے کیونکہ عمل اعظم انسان کا جس کے عوض میں اس کو نجات ملتی ہے یہ ہے کہ وہ وفاداری سے ایمان لاتا ہے اور خدا کے حضور میں ایک ایسی بے انتہا وفاداری دکھلاتا ہے جس کے سبب وہ خدا کی خاطر تمام مصائب کو برداشت کرنیکے لئے تیار رہتا ہے خواہ وہ مصائب اسکے مال پر پڑیں یا اس کی جان پر پس یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسکے اعمال محدود ہیں کیونکہ اگر وہ بے حد زمانہ تک دنیا پر زندہ رہے تب بھی وہ اس وفاداری پر قائم رہے گا اگر موت کے سبب سے اسکے اعمال کا سلسلہ منقطع

ہو جائے تو یہ اس کا قصور نہیں ہے۔ موت کا ہاتھ اس کی ایمانداری کو بدلکر بے ایمانی پیدا نہیں کر سکتا اور اگر وہ ہزاروں سال تک زندہ رہتا تب بھی اس کا یہی حال ہوتا۔ نجات کے دراصل وہ معنے نہیں ہیں جو آریوں نے سمجھے ہوئے ہیں نجات اس طرح سے حاصل ہوتی ہے کہ انسان تمام دنیوی تعلقات کو توڑ کر خدا کی محبت میں گم ہو جائے اور ایک پُرجوش اور سچے عاشق کی طرح صرف اپنے محبوب کے دیدار میں تمام سرور اور لذت محسوس کرے۔ محبت کے پیدا کرنیوالی صرف دو چیزیں ہیں حسن اور احسان لیکن ان امور سے مستفید ہونیکے لئے پہلے اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل ہونی چاہئے تا کہ اسکے حسن اور احسان کے کمال کی معرفت ہمیں اسکی طرف کھینچے اور اسکے ساتھ محبت قائم کر دے جبتک انسان اسکے حسن کو نہ دیکھے اور اسکے احسان کو نہ پاوے تب تک وہ اس قادر مطلق کا عاشق نہیں ہو سکتا۔ اسکے ساتھ کامل محبت کر کے انسان پھر اسی میں ساری خوشی پاتا ہے پس اس جہان سے بہشتی زندگی عارف کی شروع ہو جاتی ہے اور وہی معرفت اور محبت عالم آخرت میں سرور دائمی کا موجب ہو جاتی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں نجات کے تعبیر کرتے ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک شخص کو پورا پورا سامان نجات کا میسر آ گیا اور وہ پرمیشر کی کرپا اور فضل سے مکتی پا گیا تو پھر کیوں پرمیشر اس کو نا کردہ گناہ مکتی خانہ سے باہر نکالتا ہے۔ کیا وہ اسبات سے چڑتا ہے کہ کوئی عاجز بندہ ہمیشہ کیلئے آرام پاسکے اور اپنی بیکسی سے تنگ آ کر نجات یافتہ روحوں کو پھر دکھ دینا شروع کرتا ہے ماسوا اسکے موجب نجات و مکتی کا ایک ایسا امر کہ وہ پرمیشر کی محبت ہیں رہ کر کم نہیں ہو سکتا بلکہ ترقی کرنا چاہئے کیونکہ کوئی عقلمند ہرگز خیال نہیں کر سکتا کہ پرمیشر کی صحبت سے گیان اور محبت میں کچھ فرق آ جاتا ہے اور جسطرح ممکن نہیں کہ باوجود چراغ ہونیکے اندھیرا ہو جائے اسطرح یہ بھی ممکن نہیں کہ باوجود علل موجبہ مکتی کے پھر کوئی شخص مکتی خانہ سے باہر نکالا جائے ہم سوال کرتے ہیں کہ آیا پرمیشر اسبات پر قادر ہے یا نہیں کہ اپنے بندہ کو ہمیشہ کیلئے مکتی دیدے۔ اگر قادر ہے اور بندہ وفادار بھی اس کا مستحق ہے اور علل لازمہ موجب بھی دائمی مکتی کو چاہتے ہیں تو پھر کیوں پرمیشر ایسی سختی کرتا ہے کہ اول بندہ کو ایسا مقرب بنا کر کہ وہ اوتار ہو گیا اور اسپر وید نازل ہو گئے ہیں پھر ناحق اسکی عزت بگاڑ دیتا ہے اور رفتہ رفتہ مختلف جونوں میں ڈالکر اسکی کیڑوں مکوڑوں تک نوبت پہنچاتا ہے۔ دقیق نجات کے اس خوفناک مسئلہ کے مقابل میں قرآن شریف کی تعلیم کیسی صاف اور معقول ہے۔ اللہ جلشانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ یعنی جو شخص اپنے پروردگار سے ڈر کر تزکیہ نفس کرے اور ماسوائے اللہ سے منہ پھیر کر خدا تعالیٰ کی طرف رجوع لے آئے تو وہ جنت میں ہے اور جنت اس کی جگہ ہے یعنی خود ایک روحانی جنت بباعثِ قوتِ ایمانی و حالتِ عرفانی اسکے دلمیں پیدا ہو جاتی ہے جو اسکے ساتھ رہتی ہے اور وہ اسمیں رہتا ہے سو ہم سوال کرتے ہیں کہ مقابل اس آیت قرآنی کے جو جاودانی اور لازوال

مکتی پر دلیل پیش کرتی ہے جو کچھ وید میں محدود مکتی کا فلسفہ بتلایا گیا ہے وہ آریہ لوگ پیش کریں اگر وہ نہیں پیش کر سکتے تو انہیں تسلیم کر لینا چاہئے کہ یہ ایک غلط اور ضرر رسان عقیدہ ہے اور خود اس کتاب میں بھی اسکے لئے کوئی دلیل نہیں جس کی سند پر یہ پیش کیا جاتا ہے *

ایک سوال کا جواب

سوال۔ کیا ہر ایک مسلمان جب وہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتا ہے تو جھوٹی شہادت نہیں دیتا کیونکہ شہادت تو رویت کی ہوتی ہے اور اس میں رویت کوئی نہیں بلکہ صرف بطور عقیدہ یہ کلمہ پڑھا جاتا ہے *

جواب۔ اب اس سوال کے جواب میں بہت کافی ذخیرہ یہ صریح نص ہے ادعوا الی اللّٰہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی یعنی میں بصیرت سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میرے پیرووں کو بھی اس راہ میں بصیرت حاصل ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا کے وجود پر میری شہادت عینی شہادت ہے اور جو میری پیروی کرے اس کا ایمان بھی خدا کی نسبت اور طریق تعبدی کی نسبت عرفانی اور عینی ہوتا ہے۔ اسی سچے عرفان اور پرجوش ایمان کو کبھی اس طرح ظاہر کیا گیا ہے کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ یعنے میں اپنے عینی مشاہدہ کی بنا پر گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور کبھی یوں فرمایا ہے شھد اللّٰہ انہ لا الٰہ الا ھو والوا العلم قائما بالقسط یعنی جیسے خود خدا اپنی ذات پر آپ گواہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی طرح وہ دانشمند جنہیں اُس کا علم بخشا گیا ہے دلی شہود سے گواہی دیتے ہیں اور سچی اور عدل کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ اکیلا معبود ہے۔ شہادت کے لفظ میں عربی لغت کے لحاظ سے ایک امر کی نسبت بلاواسطہ اور بابصیرت اور عینی واقفیت مرکوز ہے یہ لفظ اپنی اس سچی اور صاف ترکیب اور معنے کے ساتھ جن لوگوں کی زبان پر جاری ہوا ان کی نسبت ہم اس اعتراف سے چارہ نہیں دیکھتے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی نسبت پورے شعور اور قلبی احساس سے اسکو استعمال کیا۔ افسوس ہمارے پاس اس مفرد پر معنے اور عجیب سائنس سے بھرے ہوئے لفظ کا مرادف اردو میں یا انگریزی میں کوئی لفظ نہیں جس کے ذریعہ ہم ان زبانوں میں ان آیتوں اور گواہیوں کے ترجمہ کے وقت اس سچے پرجوش اور پر ذوق مفہوم کو دوسروں تک پہنچا سکیں جو ان الفاظ کے جوہر میں پنہاں ہے *

یاد رہے کہ خدا کی آخری اور کامل ہدایت قرآن کریم نے جابجا اُس ایمان کی تذلیل اور تحقیر کی ہے جسکی بنا بصیرت کے خلاف محض تقلید پر ہو۔ اسی وجہ سے نصاریٰ اور ان کی مثل دوسرے مخلوق پرستوں کو جو

ایک عاجز بندہ مریم کے بیٹے کو اور جھوٹے معبودوں کو پوجتے ہیں ملامت کرتا اور ایک صاف دلیل سے ملزم کرتا ہے ان الذین تدعون من دو اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون اور فرماتا ہے وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علی کل شئ شھید ہ اور فرماتا ہے ھل یسمعون کم اذ تدعون + اور فرمایا ہے امن یجیب المضطر اذا دعاہ یعنے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے اور ان سے دعائیں مانگتے ہو وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود مخلوق ہیں۔ وہ مردے ہیں زندے نہیں اور انہیں شعور نہیں کہ کب اٹھائے جائینگے" اور حضرت مسیح کا جواب اس سوال پر کہ کیا تونے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کے سوا معبود بنالو یہ نقل فرمایا ہے جو مسیح نے بڑی عاجزی سے دیا "اور میں جبتک ان میں زندہ اور موجود تھا ان کے چال چلن کو اپنی آنکھ سے دیکھتا رہا پھر جب تونے مجھے موت دی (اور موت کے ساتھ سننے اور دیکھنے کا مادہ اور علم مفقود ہو گیا) تو تو ہی ان کو دیکھتا بھالتا تھا اور تو ہی ایسا ہے جس کے زیر نظر ساری چیزیں ہیں" اور جھوٹے معبودوں کی نسبت فرماتا ہے کہ کیا تمہاری پکار کو سن سکتے ہیں جب تم دعائیں مانگتے ہو" اور فرماتا ہے مصیبت رسیدہ پکارنے والے کی پکار کو میں ہی سنتا ہوں۔ اور فرماتا ہے وما دعاء الکفرین الا فی ضلال یعنے کافروں کی دعائیں بیکار اور بے سود جاتی ہیں اسلئے کہ ان کے معبود سننے اور نفع رسانی کی قوت اور قدرت نہیں رکھتے اور بنی اسرائیل پر گوسالہ کی پرستش کی تردید میں اسی راہ سے حجت پوری کی اور ان کا سارا ساختہ پرداختہ برباد کر دیا افلا یرون الا یرجع الیھم قولا ولا یملک لھم ضرا ولا نفعا ہ یعنے وہ غور نہیں کرتے کہ وہ بچھڑا نہ تو ان کی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ انکے ضرر اور نفع میں اسے کچھ اختیار حاصل ہے +

ان آیات میں خوفناک حربہ باطل کی گردن پر چلایا گیا ہے۔ تمام باطل معبودوں کے پرستار اور سب سے زیادہ صاف باطل اور ظلم کے پرستار نصاریٰ کو یہ الزام دیا گیا ہے کہ یسوع مسیح کو خدا کہنے میں بصیرت پر نہیں اگر ہیں تو اس کی زندگی کا کوئی ثبوت دیں اور وہ ثبوت اس طرح پر ہے کہ ثابت کریں کہ وہ اب بھی کلام کرتا اور اعدا اور اولیاء کو ضرر اور نفع دینے پر قادر ہے اور اس کا صاف طریق یہ ہے کہ مسیح کے بڑے مخلص پرستار اور مقرب اور ایسا ہی دوسرے باطل معبودوں کے پرستار کوئی مقتدر علم غیب پر مشتمل پیش گوئی کریں جسمیں ان کی قوی اور صاف نصرت اور منکروں کی ذلت اور خذلان کا مضمون ہو۔ اور پھر دعویٰ کیا ہے کہ یہ باطل پرست سب نامراد رہینگے اور ان کی دعائیں بیکار جائیں گی اس لئے کہ یہ باطل کو اور مردوں کو پکارتے ہیں +

اس کے خلاف ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے پیرووں کا زندہ خدا اور قادر حی خدا اور سچے معبود کا پرستار ہونا اس عینی شہادت یعنی **اشہد** کے لفظ سے اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ انکا دعوی ہے کہ قرآن کریم اور اسلام کا پیش کردہ خدا ہر وقت متکلم اور ہر وقت اپنے دوستوں اور دشمنوں میں دعا کے وقت تمیز کرنے پر تیار رہے ہے چنانچہ آج بھی اس زبردست دعوی کو ہاتھ میں لیکر خدا کا زندہ رسول محمد احمد صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام اور خلیفہ مرزا غلام احمد عیسائیوں اور ان کے مثل تمام جھوٹے معبودوں کے پرستاروں پر نمایاں فتح پا رہا ہے اور تمام باطل پرست خاموشی سے اپنے مذہبوں اور معبودوں کے بطلان پر اپنے ہاتھ سے مہر لگا رہے ہیں +

اب ہم پھر سائل کی طرف متوجہ ہو کر کہتے ہیں کہ اسلام ہرگز ایسے ایمان کو پسند نہیں کرتا جس کے ساتھ بصیرۃ اور دلی شعور نہ ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ خدا کے قانون قدرت نے ایسا نہیں چاہا کہ تمام لوگ اس بلند مینار پر چڑھ سکیں مگر اس نے سچے مذہب کی یہ صحیح علامت ٹھہرائی ہے کہ ہر زمانہ میں اس کے اندر ایسے افراد ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے اور اس ہمکلامی کا واضح ثبوت دیتے اور یوں ثابت کر دیتے ہیں کہ جملہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ صحیح اور درست جملہ ہے۔ اور یہ فخر صرف مذہب اسلام کو ہے۔ اور مذاہب اس سے تہی دست ہیں +